بنام

پیشکش
المدینۃ العلمیۃ
Islamic Research Center

کنز المدارس بورڈ کے نِصاب، کالج، یونیورسٹی کے طلبہ اور قرآن سمجھنے والے
عام افراد کے لیے اردو زبان میں علومِ قرآن پر ایک فائدہ مند کتاب

بنام

اَلتَّیْسِیْرُ فِیْ عِلْمِ التَّفْسِیْر

مصنف

مولانا عبد اللہ نعیم صدیقی عطاری مدنی

معاون

مولانا محمد احمد امین عطاری مدنی

پیشکش

المدینۃ العلمیۃ
Islamic Research Center

ناشر

مکتبۃ المدینہ کراچی

حوالہ نمبر:279

نام کتاب	اَلتَّیْسِیْرُ فِیْ عِلْمِ التَّفْسِیْر علمِ تفسیر آسان لفظوں میں
مصنف	مولانا عبد اللہ نعیم صدیقی عطاری مدنی
معاون	مولانا محمد احمد امین عطاری مدنی
صفحات	124
پیشکش	شعبہ تحقیقی کتب المدینۃ العلمیۃ Islamic Research Center
پہلی بار	ربیع الاول ١٤٤٤ھ، اکتوبر 2022ء
تعداد	5000 (پانچ ہزار)
ناشر	مکتبۃ المدینہ باب المدینہ کراچی

مکتبۃ المدینہ

MAKTABA TUL MADINAH

دینی کتابوں کی اشاعت کا بین الاقوامی ادارہ

فیضانِ مدینہ، محلہ سوداگران، پرانی سبزی منڈی، کراچی

Faizan-E-Madina,Mohalla Sodagaran,Old Sabzi Mandi,Karachi

UAN: +922111252692 , , :92-313-1139278

www.dawateislami.net www.maktabatulmadina.com

ilmia@dawateislami.net feedback@maktabatulmadina.com

پاکستان کے چند مکتبۃ المدینہ

اسلام آباد: شبیر شریف روڈ G-11 مرکز اسلام آباد	051-5553765	لاہور: داتا دربار مارکیٹ، گنج بخش روڈ	04237311679
ملتان: نزد پیپل والی مسجد، اندرون بوہڑ گیٹ	0614511192	فیصل آباد: امین پور بازار	0412632625
پشاور: مکتبۃ المدینہ پشاور ائیر پورٹ	0092 311 9677780	حیدر آباد: فیضانِ مدینہ، آفندی ٹاؤن	0222620122
سکھر: مکتبۃ المدینہ، فیضانِ مدینہ، بیراج روڈ سکھر	0092 312 2611826	میر پور آزاد کشمیر: چوک شہیداں	05827437212

تصدیق نامہ

تاریخ: ۵ جمادی الاولی ۱۴۴۴ھ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْن

تصدیق کی جاتی ہے کہ کتاب

"اَلتَّیْسِیْرُ فِیْ عِلْمِ التَّفْسِیْر علمِ تفسیر آسان لفظوں میں"

(مطبوعہ مکتبۃ المدینہ) پر مجلس تفتیشِ کتب ورسائل کی جانب سے نظرِ ثانی کی کوشش کی گئی ہے۔ مجلس نے اسے عقائد، کفریہ عبارات اور فقہی مسائل وغیرہ کے حوالے سے مقدور بھر ملاحظہ کرلیا ہے، البتہ کمپوزنگ یا کتابت کی غلطیوں کا ذمہ مجلس پر نہیں۔

مجلس تفتیشِ کتب ورسائل (دعوتِ اسلامی)

29-11-2022

المدینۃُ العلمیۃ
(Islamic Research Center)

عالمِ اسلام کی عظیم دینی تحریک دعوتِ اسلامی نے مسلمانوں کو درست اسلامی لٹریچر پہنچانے اور اس کے ذریعے اصلاحِ فرد و معاشرہ کے عظیم مقصد کے لیے 1421ھ مطابق 2001ء کو جامعۃ المدینہ گلستانِ جوہر کراچی میں المدینۃ العلمیہ کے نام سے ایک تحقیقی ادارہ قائم کیا جس کا بنیادی مقصد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری رحمۃ اللہ علیہ کی کتب کو دورِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق شائع کروانا تھا۔ جمادی الاولیٰ 1424ھ / جولائی 2003ء اسے عالمی مدنی مرکز فیضانِ مدینہ پرانی سبزی منڈی، یونیورسٹی روڈ کراچی میں منتقل کر دیا گیا۔ امیر اہل سنّت، بانی دعوتِ اسلامی علامہ محمد الیاس عطار قادری دامت بَرَکاتُہمُ العالیہ کے نیکی کی دعوت، اِحیائے سنّت اور اِشاعتِ علمِ شریعت کا عزم پیشِ نظر رکھتے ہوئے یہ ادارہ چھ 6 شعبہ جات میں تقسیم کیا گیا۔ پھر ان میں بتدریج اضافہ ہوتا رہا۔ اس کی کراچی کے علاوہ ایک شاخ مدنی مرکز فیضان مدینہ، مدینہ ٹاؤن فیصل آباد، پنجاب میں بھی قائم ہو چکی ہے، دونوں شاخوں میں 120 سے زائد علما تصنیف و تالیف یا ترجمہ و تحقیق وغیرہ کے کام میں مصروف ہیں اور 2021ء تک اس کے 23 شعبے قائم کیے جا چکے ہیں:

(1) شعبہ فیضانِ قرآن (2) شعبہ فیضانِ حدیث (3) شعبہ فقہ (فقہ حنفی و شافعی) (4) شعبہ سیرتِ مصطفےٰ (5) شعبہ فیضانِ صحابہ واہلِ بیت (6) شعبہ فیضانِ صحابیات وصالحات (7) شعبہ فیضانِ اولیا وعلما (8) شعبہ کتبِ اعلیٰ حضرت (9) شعبہ تخریج (10) شعبہ درسی کتب (11) شعبہ اصلاحی کتب (12) شعبہ ہفتہ وار رسالہ (13) شعبہ بیاناتِ دعوتِ اسلامی (14) شعبہ تراجم کتب (15) شعبہ فیضانِ امیرِ اہلِ سنّت (16) ماہنامہ فیضانِ مدینہ (17) شعبہ دینی کاموں کی تحریرات ورسائل (18) دعوتِ اسلامی کے شب وروز (19) شعبہ بچّوں کی دنیا (20) شعبہ رسائلِ دعوتِ اسلامی (21) شعبہ گرافکس ڈیزائننگ (22) شعبہ رابطہ برائے مصنفین ومحققین (23) شعبہ انتظامی امور قائم ہیں۔

المدینۃ العلمیۃ کے اغراض ومقاصد یہ ہیں:☆باصلاحیت علمائے کرام کو تحقیق، تصنیف وتالیف کے لیے پلیٹ فارم مہیا کرنا اور ان کی صلاحیتوں میں اضافہ کرنا۔☆قرآنی تعلیمات کو عصری تقاضوں کے مطابق منظرِ عام پر لانا۔☆افادۂ خواص وعوام کے لیے علومِ حدیث اور بالخصوص شرحِ حدیث پر مشتمل کتب تحریر کرنا۔☆سیرتِ نبوی، عہدِ نبوی، قوانینِ نبوی، طبِ نبوی وغیرہ پر مشتمل تحریریں شائع کرنا۔☆اہل بیت وصحابہ کرام اور علماوبزرگانِ دین کی حیات وخدمات سے آگاہ کرنا۔☆بزرگوں کی کتب ورسائل جدید منہج واسلوب کے مطابق منظرِ عام پر لانا بالخصوص عربی مخطوطات (غیر مطبوع) کتب ورسائل کو دورِ جدید سے ہم آہنگ تحقیقی منہج پر شائع کروانا۔☆نیکی کی دعوت کا جذبہ رکھنے والوں کو مستند مواد فراہم کرنا۔☆دینی ودنیاوی تعلیمی اداروں کے طلبہ کو مستند صحت مند مواد کی فراہمی نیز درسِ نظامی کے طلبہ واساتذہ کے لئے نصابی کتب عمدہ شروحات وحواشی کے ساتھ شائع کرکے انکی ضرورت کو پورا کرنا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ اَمیرِ اَہلِ سنّت دامت برکاتہم العالیہ کی شفقت وعنایت، تربیت اور عطاکردہ اصولوں پر عمل پیرا ہونے کا ہی نتیجہ ہے کہ دنیاوآخرت میں کامیابی پانے، نئی نسل کو اسلام کی حقانیت سے آگاہ کرنے، انہیں باعمل مسلمان اور ایک صحت مند معاشرے کا بہترین فرد بنانے، والدین واساتذہ اور سرپرست حضرات کو اندازِ تربیت کے درست طریقوں سے آگاہ کرنے اور اسلام کی نظریاتی سرحدوں اور دین وایمان کی حفاظت کے لیے المدینۃ العلمیۃ نے اپنے آغاز سے لے کر اب تک جو کام کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔

اللہ پاک اپنے فضل وکرم سے بشمول المدینۃ العلمیۃ دعوتِ اسلامی کے دینی کاموں، اداروں اور شعبوں کو مزید ترقی عطا فرمائے۔

امین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ والہ وسلم

تاریخ: 15 شوال المکرم 1442ھ / 27 مئی 2021ء

ہدیۂ قارئین

قرآنِ کریم اللہ پاک کا انسان کے نام آخری پیغام ہے جو دینِ اسلام کا سرچشمہ، رشد و ہدایت کا گنجینہ اور علوم و معارف کا نہ ختم ہونے والا خزینہ ہے؛ اللہ پاک نے یہ جامع کتاب اپنے آخری نبی کے ذریعے اس اُمّت کو عطا فرما کر ہمیں علم و عرفان کا وارث مقرر فرمایا! چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے: ﴿ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَاۚ﴾ [1]

ترجمہ: پھر ہم نے کتاب کا وارث کیا اپنے چنے ہوئے بندوں کو۔

قرآن اللہ کی رسی ہے:

قرآن اللہ کی رسی ہے جس کو صحیح معنوں میں مضبوطی سے تھامنے والا کبھی نامراد نہیں رہتا، کامیابی اس کے قدم چومتی ہے اور سرخ روئی اس کا مقدر ہوتی ہے؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک قرآن کا ایک سرا اللہ کے پاس ہے اور دوسرا تمہارے پاس، اس کو مضبوطی سے پکڑے رہو گے تو نہ کبھی تباہ ہو گے نہ گمراہ۔ [2]

مخزنِ علم:

قرآنِ پاک علمِ حقیقی کا خزانہ ہے، اس میں بیان کی گئی باتیں اپنے اصل مفہوم کی سچائی کے ساتھ ساتھ کئی علوم کو اپنے دامن میں لی ہوئی ہیں۔ جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جو علم حاصل کرنے کی خواہش رکھتا ہو اسے چاہیے قرآن میں خوب غور و خوض کرے کیونکہ قرآن میں اگلوں اور پچھلوں کا علم موجود ہے۔ [3]

---

1 ...... پ22، فاطر: 32۔

2 ...... معجم کبیر، 22/188، حدیث: 491۔

3 ...... شعب الایمان، 2/332، حدیث: 1960۔

مقصدِ تصنیف:

قرآنِ پاک کے علوم و معارف سے فیض یاب ہونے کے لیے فہمِ قرآن کے اصول وضوابط سے مکمل آگاہی ضروری ہے کہ میوے سے وہی لطف اندوز ہوسکتا ہے جس کے دانت مضبوط ہوں، پوپلا (بغیر دانت والا) تو اس سے زخمی ہو جائے گا! اسی لیے کنزالمدارس بورڈ پاکستان نے درسِ نظامی کے نصاب میں ابتدائی درجات سے ہی علومِ قرآن پر مشتمل کتب شامل کرنے کا ارادہ کیا ہے۔

عملی اقدام:

اس نیک ارادے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے دعوتِ اسلامی کی مرکزی مجلس شوریٰ کے رکن حاجی ابو ماجد محمد شاہد عطاری مدنی دام ظلہ سے رابطہ کیا گیا اور علومِ قرآن کے عنوان سے مختصر اور جامع کتاب تصنیف کروانے کی گزارش پیش کی گئی جس کو آپ نے قبول فرمایا۔

مصنف کا انتخاب:

رکنِ شوریٰ نے اس کتاب کی تصنیف کے لیے اسلامک ریسرچ سینٹر کے سینئر محرر مولانا عبد اللہ نعیم صدیقی عطاری مدنی اور مولانا محمد احمد امین عطاری مدنی کا انتخاب فرمایا۔

آغاز سے اختتام تک:

20 جولائی 2022 سے اس کام کا آغاز ہوا اور 21 ستمبر 2022 کو یہ کتاب اختتام پذیر ہوئی؛ جس میں درج ذیل باتوں کا خاص خیال رکھا گیا:

❁ کتاب کی تصنیف کے لیے بیسیوں عربی، اردو کتابوں، ریسرچ پیپرز اور مختلف ویب سائٹس کو پیشِ نظر رکھا گیا۔

❁ بنیادی طور پر یہ ایک نصابی کتاب ہے اس لیے شروع میں "ہدایات برائے اساتذہ" کے

عنوان سے اس کتاب کو پڑھانے والوں کے لیے ضروری ہدایات ذکر کی گئی ہیں۔

❁ کتاب 19 مضامین پر مشتمل ہے جو 19 اسباق کی صورت میں درج کیے گئے ہیں۔

❁ کتاب کو نصابی لحاظ سے مفید تر بنانے کے لیے سبق کے آخر میں مشق بھی دی گئی ہے۔

❁ آیات کا ترجمہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمۂ قرآن ”کنز الایمان“ شریف سے لیا گیا ہے۔

❁ کتاب کے لیے شیخِ طریقت، امیرِ اہلِ سنت حضرت علامہ مولانا محمد الیاس عطار قادری رضوی دامت بَرَکاتُہمُ العالیہ کا تجویز کردہ نام ”علمِ تفسیر آسان لفظوں میں“ جبکہ عربی و درسی نام ”اَلتَّیْسِیْرُ فِیْ عِلْمِ التَّفْسِیْر“ طے پایا ہے۔

❁ کتاب کی شرعی تفتیش دار الافتا اہلِ سنت کے سینئر متخصص مولانا محمد ماجد رضا عطاری مدنی نے فرمائی ہے۔

❁ کتاب کی مکمل تصنیف مولانا عبد اللہ نعیم صدیقی عطاری مدنی نے کی ہے جنہیں جمع مواد، تخاریج و تحقیقات وغیرہ میں مولانا محمد احمد امین عطاری مدنی کی معاونت حاصل رہی۔

❁ کتاب کو ہر طرح کی اغلاط سے پاک رکھنے کے لیے باقاعدہ تین بار الگ الگ تین ماہر پروف ریڈرز سے پروف ریڈنگ کروائی گئی ہے؛ پھر بھی کوئی غلطی رہ جائے تو برائے کرم اسلامک ریسرچ سینٹر (المدینۃ العلمیۃ) کے E.mail ایڈریس پر ضرور مطلع فرمائیں۔

اللہ پاک اس کاوش کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور مصنف و معاون کو دارین میں سرخ روئی نصیب کرے۔ آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم

شعبہ تحقیقی کتب

اسلامک ریسرچ سینٹر (المدینۃ العلمیۃ)

ہدایات برائے اساتذہ

"علمِ تفسیر آسان لفظوں میں" اپنے موضوع کی ابتدائی کتاب ہے؛ اس کتاب میں اصولِ تفسیر کی بنیادی باتوں کو آسان انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کا مقصد طلبہ اور شائقینِ قرآن کے لیے قرآن سمجھنے میں آسانی پیدا کرنا، بیدار مغزی سے قرآن مجید کا مطالعہ کرنے میں مدد کرنا اور علمِ تفسیر کی اصطلاحات کو سمجھانا ہے۔

اس کتاب کی تدریس کے حوالے سے چند گزارشات پیشِ خدمت ہیں:

سبق سے پہلے کرنے والے چھ کام:

1- اصول کی کوئی بھی کتاب سرسری پڑھانا مفید نہیں ہوتا اور قرآنِ پاک سے متعلق فن کی کتاب زیادہ اہمیت کی حامل ہے، لہٰذا کتاب کی تدریس وہ ماہر اور تجربہ کار استاذ محترم فرمائیں جو اصولِ تفسیر کا مطالعہ رکھتے ہوں۔

2- سبق کی تیاری کے لیے * مناہل العرفان از علامہ عبد العظیم زرقانی * احسن البیان از علامہ فیض احمد اویسی * علم القرآن از علامہ منظور احمد شاہ رحمۃ اللہ علیہم کا مطالعہ معاون ثابت ہوگا۔

3- کلاس میں "تمام طلبہ کی ذہنی صلاحیت ایک جیسی نہیں ہوتی"، لہٰذا کتاب کی تدریس کے دوران اس نکتے کو پیشِ نظر رکھ کر تقریر تیار کی جائے۔

4- سبق سے پہلے طلبہ کو شوق دلانے کے لیے اس کی اہمیت ضرور بیان کی جائے۔

5- سبق کی تیاری کے بعد اور تدریس سے پہلے ان سوالوں کے جوابات ہوں تو سبق پڑھایئے:

- کیا آپ کو معلوم ہے آج کون سا سبق پڑھانا ہے اور کتنا پڑھانا ہے؟
- کیا آپ سبق کا کم از کم تین مرتبہ مطالعہ کر چکے ہیں؟ پہلی بار خود سمجھنے کے لیے۔ دوسری بار سمجھانے کے لیے۔ اور تیسری بار سبق کو آسانی سے سمجھانے کے لیے۔

- کیا آپ نے آج کے سبق کی تمام اصطلاحات اور مشکل الفاظ کے معانی تلاش کر لیے ہیں؟
- کیا آپ سبق کی مشق اچھی طرح حل کر چکے ہیں؟
- کیا آپ نے سبق پر ہونے والے ممکنہ سوالات اور ان کے جوابات تیار کر لیے ہیں؟
- کیا آپ نے معاونت کے لیے بتائی گئیں تین کتابوں میں سے کم از کم کسی ایک کتاب سے آج کے سبق کی بحث کا مطالعہ کر لیا ہے؟
- کیا سبق کا کوئی مقام ایسا تو نہیں جس پر آپ کو خود تشنگی ہو؟

سبق کے دوران کرنے والے آٹھ کام:

1- سبق میں آنے والی اصطلاحات اور طلبہ کی ذہنی صلاحیت کے مطابق مشکل الفاظ کے معانی ضرور بیان کر دیئے جائیں۔ نیز تقریر کے دوران اصطلاحات کو ان کے معانی کے ساتھ بار بار دہرایا جائے تاکہ کسی طالبِ علم کو دشواری نہ ہو۔

2- اصطلاحات کے معانی اور عددی اشیاء طلبہ کو زبانی یاد کروائی جائیں۔

3- کسی سبق کا اسلوب سمجھنے میں طلبہ کے لیے مشکل ہو تو پہلے وہ اسلوب مثالوں سے سمجھایا جائے پھر سبق کی طرف توجہ کی جائے مثلاً ناسخ و منسوخ والے سبق سے پہلے تدریسی اصطلاح "اعتبار"، "لحاظ" یا "جہت" سمجھانے کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔

4- اسباق کو بورڈ پر نقشہ بنا کر سمجھایا جائے تو آسانی سے سمجھ آجاتا ہے اور یاد رکھنے میں بھی آسانی ہوتی ہے۔ لہٰذا جتنا ہو سکے اسباق کی تفہیم کے لیے بورڈ کا استعمال کیا جائے؛ فن میں دلچسپی پیدا کرنے کے لیے مختلف اسباق رنگین کارڈ شیٹ پر دیدہ زیب انداز میں بصورت نقشہ لکھوا کر کلاس میں آویزاں بھی کروائے جاسکتے ہیں۔

5- کتاب کی عبارت اور اس کی قیودات کو ملحوظ رکھا جائے اور سبق کے خاص اسلوب کو نظر انداز نہ کیا جائے۔

6- جن دو چیزوں میں فرق بیان کیے گئے ہیں ان کی وجہِ فرق کو واضح کیا جائے۔

7- حتَّی الامکان کوشش ہو کہ کتاب کی بحث پر زیادتی نہ کی جائے۔

8- سبق کا ایک سے زیادہ بار مطالعہ کروایا جائے اور تلفظ کی درستی پر بھی توجہ دی جائے۔

سبق کے بعد کرنے والے تین کام:

1- ہر سبق کی مشق لازمی حل کروائی جائے اور کوئی مشق حل کروائے بغیر اگلا سبق شروع نہ کروایا جائے۔ بعض مشقوں میں طلبہ کی جستجو بڑھانے کے لیے آسان خارجی سوالات بھی شامل کیے گئے ہیں استاذ محترم ان کے حل میں راہ نمائی فرمائیں۔

2- سبق سمجھانے کے بعد اس کا اِجرا بھی کروایا جائے مثلاً اسلوبِ قرآن والے سبق میں سورتوں کا آغاز و اختتام مصحف شریف سے دکھایا جائے۔

3- استاذ کی ذمہ داری سبق سمجھانا ہے سبق کے لیے کیا گیا سارا مطالعہ بیان کرنا نہیں! ذاتی مطالعہ طلبہ کے سُوالات کے وقت بقدرِ ضرورت بیان کرنا ہی مفید ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ بیان کرنے سے طلبہ اصل سبق سے ہٹ کر دیگر ابحاث کی جانب متوجہ ہو جاتے ہیں۔

علمِ تفسیر

علمِ تفسیر کی تعریف:

وہ علم جس میں احوالِ قرآن سے بحث کی جائے یعنی نزولِ قرآن، الفاظِ قرآن، معانیِ قرآن، ناسخ و منسوخ وغیرہ۔[1]

وضاحت:

علمِ تفسیر در حقیقت علومِ قرآن اور اس سے متعلق بہت سے مباحث کا مجموعہ ہے؛ علمِ تفسیر کی طرف بڑھنے سے پہلے اس کی ابتدائی چیزوں کا جاننا ضروری ہے تاکہ علومِ قرآن اور مباحثِ قرآن کو سمجھنے میں دشواری نہ ہو۔

علمِ تفسیر کا موضوع:

مذکورہ احوال کی حیثیت سے قرآن پاک علمِ تفسیر کا موضوع ہے۔

غرض و غایت:

معانیِ قرآن کو سمجھنا اور اللہ کی رسی کو تھام کر دنیا و آخرت میں کامیاب ہونا۔[2]

واضع:

علمِ تفسیر اللہ اور اس کے رسول کا وضع کردہ علم ہے۔[3]

ثمرات:

علمِ تفسیر کی مدد سے عقائد، احکامِ شرعیہ، اخلاقِ حسنہ اور عمدہ نصیحتیں حاصل ہوتی ہیں۔

---

1 ...... دستور العلماء، 1 / 444 - مناہل العرفان، ص 335۔

2 ...... الاتقان فی علوم القرآن، 2 / 1196 - کشف الظنون، 1 / 427۔ 3 ...... زبدۃ الاتقان، ص 25۔

نسبت:

علمِ تفسیر دینی علوم میں سے ہے بلکہ تمام دینی علوم کا سردار ہے، کیونکہ تمام علوم قرآنِ حکیم سے ہی حاصل کیے جاتے ہیں اور علمِ تفسیر بذات خود قرآن کا علم ہے۔

فضیلت:

علمِ تفسیر تمام علوم میں سب سے افضل، اعلیٰ اور عظمت والا ہے کہ ہر علم کی اہمیت اس کے موضوع کی اہمیت سے اجاگر ہوتی ہے اور علمِ تفسیر کا موضوع سب سے بزرگ تر ہے۔[1]

علمِ تفسیر کی ضرورت وحاجت:

قرآنِ مجید کو سمجھنے، اس کی تعلیمات کو جاننے اور اس میں بیان کردہ ہدایات کے مطابق زندگی گزارنے پر دنیاو آخرت میں کامیابی کا دار و مدار ہے جو اللہ پاک کی توفیق سے ہی ممکن ہے؛ یعنی ایسا نہیں ہو سکتا کہ کوئی شخص قرآن سمجھنے کے لیے عربی سیکھ لے، علومِ عربیہ کا ماہر ہو جائے اور قرآن سمجھنے کا دعویٰ کرنے لگے بلکہ یہ چیزیں اس کے لیے بنیادی علوم کا کام دینے والی ہیں؛ اصل علم، ہدایت اور عقل و دانائی جس کا مخزن قرآن ہے اور یہ علم صرف اور صرف توفیقِ الٰہی سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابۂ کِرام فصاحت وبلاغت کے ماہر اور مادری زبان عربی ہونے کے باوجود قرآن سمجھنے کے لیے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوتے تھے کیونکہ وہ بھی قرآن کی بہت سی باتیں از خود نہیں سمجھ پاتے تو پیارے آقا صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم سے سُوال کرتے تھے۔ چنانچہ

جب سورۂ بقرہ کی آیت نمبر 187 ﴿ وَ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ﴾[2] ترجمہ: "اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ تمہارے لیے ظاہر ہو جائے

---

1 ...... الاتقان فی علوم القرآن، 2/1195۔ 2 ...... پ2، البقرۃ: 187۔

سفیدی کا ڈورا سیاہی کے ڈورے سے پو پھٹ کر۔'' نازل ہوئی جس میں سحری کا اختتامی وقت بیان فرمایا گیا ہے تو صحابیِ رسول حضرت عَدِی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے کالی اور سفید رسی اپنے تکیہ کے نیچے رکھ لی اور خیال کیا کہ یہ سفید رسی کالی سے جدا ہو جائے گی! ظاہر ہے قرآنی آیت کی یہ مراد نہیں تھی جو انہوں نے سمجھی اور رسیاں جدا نہ ہوئیں؛ وہ صبح رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور رات کی صورتِ حال بیان کی تو آپ نے اِرشاد فرمایا: یہاں خَیْطُ الْاَبْیَض یعنی سفید ڈورے سے دن کی سفیدی اور خَیْطُ الْاَسْوَد یعنی کالے ڈورے سے رات کی سیاہی مراد ہے۔[1]

یقیناً صحابۂ کِرام فہم و فراست اور عقل و دانائی میں ہم سے بہت بڑھ کر تھے جب ان حضرات کو قرآن سمجھنے کے لیے تفسیرِ قرآن کی ضرورت تھی تو ہم ان سے کئی گنا زیادہ تفسیرِ قرآن کے محتاج ہیں۔

مشق

سُوال: علمِ تفسیر کی تعریف بیان کیجیے اور وضاحت لکھیے۔

سُوال: علمِ تفسیر کا موضوع اور غرض وغایت بیان کیجیے اور بتایئے اس علم کا واضع کون ہے؟

سُوال: علمِ تفسیر کے فوائد و ثمرات لکھیے اور فضیلت بیان کیجیے۔

سُوال: علمِ تفسیر کی حاجت وضرورت پر نوٹ لکھیے۔

---

[1] بخاری، 1 / 632، حدیث: 1916۔

سبق 2

قرآنِ پاک کی تعریف

قرآن کی تعریف:

هُوَ كَلَامُ اللهِ الْمُنَزَّلُ عَلٰى نَبِيِّهٖ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُعْجِزُ بِلَفْظِهِ الْمُتَعَبَّدُ بِتِلَاوَتِهِ الْمَنْقُوْلُ إِلَيْنَا بِالتَّوَاتُرِ الْمَكْتُوْبُ فِي الْمَصَاحِفِ مِنْ أَوَّلِ سُوْرَةِ الْفَاتِحَةِ إِلٰى آخِرِ سُوْرَةِ النَّاسِ۔[1]

ترجمہ: قرآن اللہ کا کلام ہے جو اس کے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر نازل کیا گیا، اس کے الفاظ عاجز کرنے والے ہیں، اس کی تلاوت کرنا عبادت ہے، وہ تواتر کے ساتھ نقل ہوتا ہوا ہم تک پہنچا اور سورۂ فاتحہ سے سورۂ ناس تک مَصاحِف میں لکھا ہوا ہے۔

”کلامُ اللہ“ کی وضاحت:

”کلام“ اللہ پاک کی صفت ہے جو الفاظ، آواز، رکنے اور ٹھہرنے سے پاک ہے کیونکہ یہ چیزیں مخلوق کے کلام کے لیے ضروری ہیں اور خود مخلوق و حادِث ہیں جبکہ اللہ پاک کا کلام قدیم ہے جس طرح اس کی ذات قدیم ہے۔[2]

قرآنِ عظیم جس کی ہم اپنی زبان سے تلاوت کرتے اور مَصاحِف میں لکھتے ہیں اللہ ہی کا کلامِ قدیم بِلا صَوت (بغیر آواز) ہے اور ہمارا پڑھنا لکھنا اور آواز حادِث[3] ہے یعنی ہمارا پڑھنا

1 ...... مناہل العرفان، ص19 تا 20 - علوم القرآن الکریم، ص10۔

2 ...... قدیم کا معنیٰ ہے وہ جو ہمیشہ سے ہو؛ اللہ تعالیٰ کے حق میں قدیم کا معنیٰ ہے وہ ذات جو ہمیشہ سے موجود ہے اور اس کا معدوم ہونا محال ہے۔ (المعتقد المنتقد، ص76)

3 ...... حادِث قدیم کی ضد ہے اس کا معنیٰ ہے فنا ہونے والا؛ جو ہمیشہ سے نہ ہو اور کبھی نہ کبھی ختم بھی ہو جائے وہ حادِث ہے۔

حادِث ہے اور جو ہم نے پڑھا قدیم، ہمارا لکھنا حادِث ہے اور جو ہم نے لکھا قدیم، ہمارا سننا حادِث ہے اور جو ہم نے سنا قدیم، ہمارا حِفظ کرنا حادِث ہے اور جو ہم نے حِفظ کیا قدیم؛ یعنی مُتَجَلّٰی قدیم ہے اور تَجَلِّی حادِث[1]۔[2]

الغرض قرآن اللہ کا کلام ہے کسی مخلوق؛ انسان، جن یا فرشتے کا کلام نہیں ہے۔

"اَلْمُنَزَّلُ عَلٰی نَبِیِّہٖ مُحَمَّد" کی وضاحت:

اللہ پاک نے اشرف المخلوقات حضرت انسان کی ہدایت کے لیے کئی انبیا اور رسولوں کو بھیجا اور اپنے پاک کلام پر مشتمل 104 مختلف کتابیں اور صحائف نازل کیے:

- 50 صحیفے حضرت شیث علیہ السلام پر نازل ہوئے۔
- 30 صحیفے حضرت ادریس علیہ السّلام پر نازل ہوئے۔
- 10 صحیفے حضرت ابراہیم علیہ السّلام پر نازل ہوئے۔
- 10 صحیفے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات شریف اترنے سے پہلے نازل ہوئے۔

چار بڑی کتابیں نازل ہوئیں:

1- "تورات" حضرت موسیٰ علیہ السّلام پر 2- "زبور" حضرت داود علیہ السّلام پر

3- "انجیل" حضرت عیسیٰ علیہ السّلام پر 4- "قرآن" حضرت محمد صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم پر[3]

"اَلْمُنَزَّلُ عَلٰی نَبِیِّہٖ مُحَمَّد" سے اللہ پاک کی آخری کتاب قرآن مجید مراد ہے۔

---

1 ...... مُتَجَلّٰی یعنی کلامِ الٰہی، قدیم ہے اور تَجَلِّی یعنی ہمارا پڑھنا، سننا، لکھنا، یاد کرنا یہ سب حادِث ہے۔ (حاشیہ بہارِ شریعت از المدینۃ العلمیۃ، 1/10)

2 ...... المعتمد المستند، ص105 تا 106- بہارِ شریعت، 1/8 تا 10۔

3 ...... ابن حبان، 1/288، حدیث: 362۔

”اَلْمُعْجِزُ بِلَفْظِہٖ“ کی وضاحت:

اللہ پاک کے کلام پر دلالت کرنے والے قرآن کے الفاظ اپنی حسنِ ترتیب و تاثیر، فصاحت و بلاغت، سابقہ و آیندہ ہونے والے واقعات کی خبروں اور زبردست راہ نما اصولوں پر مشتمل ہونے کی وجہ سے اس قدر کامل اور درست ہے کہ مخلوق میں سے کوئی بھی اس جیسا ایک اور کلام نہیں لاسکتا۔ بالفاظ دیگر کسی فرشتے، انسان یا جن میں قرآن کی مثل لانے کی طاقت نہیں۔

”اَلْمُتَعَبَّدُ بِتِلَاوَتِہٖ“ کی وضاحت:

اللہ پاک کے کلام قرآنِ مجید کی تلاوت عبادت ہے، یہ نماز کی ادائیگی کا بنیادی رکن ہے اور نماز کے علاوہ قرآن کا پڑھنا حصولِ ثواب کا ذریعہ ہے۔

اللہ پاک کا وہ کلام جو حدیثِ قدسی [1] کی صورت میں موجود ہے قرآن نہیں۔

”اَلْمَنْقُوْلُ اِلَیْنَا بِالتَّوَاتُرِ“ کی وضاحت:

اللہ پاک کا کلام قرآنِ مجید رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے صحابۂ کرام رضی اللہُ عنہم کی بڑی تعداد نے روایت کیا اور ان کے بعد ہر طبقے میں اس قدر کثیر لوگ آگے پہنچاتے رہے جن کا جھوٹ پر اتفاق کرلینا ممکن ہی نہیں ہے؛ یوں یہ قرآن ہم تک اسی طرح پہنچا جس طرح اللہ پاک نے اپنے رسول پر نازل فرمایا تھا۔ [2]

شاذ قراءتیں اور وہ آیات جو منسوخ ہونے کے بعد مصحف شریف میں موجود نہیں وہ قرآن نہیں۔ [3]

---

1 ...... سبق نمبر 4 صفحہ نمبر 22 پر ”حدیث قدسی“ کی تفصیل آرہی ہے۔

2 ...... علوم القرآن الکریم، ص 11۔ 3 ...... کشف الاسرار، 1/ 37۔

”اَلْمَكْتُوْبُ فِي الْمَصَاحِفِ... الخ“ کی وضاحت:

قرآن اللہ کا کلام ہے جس پر دلالت کرنے والے الفاظ سورتوں اور آیتوں میں تقسیم ہو کر از ابتدا تا انتہا کتابی صورت میں لکھے ہوئے ہیں۔

خلاصۂ کلام:

قرآن اللہ کا کلام ہے جو اس نے اپنے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم پر نازل فرمایا یہ کسی مخلوق؛ انسان، جن یا فرشتے کا کلام نہیں ہے، نہ کسی میں اس کی مثل لانے کی طاقت ہے۔ حدیثِ قدسی قرآن نہیں، نہ ہی غیر متواتر قراءتیں قرآن ہیں بلکہ وہ آیتیں جو منسوخ ہونے کے بعد مصحف شریف میں موجود نہیں وہ بھی قرآن کا حصہ نہیں۔

مشق

سُوال: قرآنِ پاک کی تعریف عربی میں بیان کیجیے اور اس کا سلیس ترجمہ اپنی کاپی پر لکھیے۔

سُوال: کلام، اللہ کی صفت ہے، اس میں ہمارے لیے کیا عقیدہ رکھنا ضروری ہے؟

سُوال: کسی مخلوق کے لیے قرآن کی مثل بنانا کیوں ممکن نہیں؟

سُوال: لوگوں کی ہدایت کے لیے کتنے صحائف و کتب نازل ہوئیں اور کن کن پر ہوئیں؟

سُوال: تلاوت قرآن کی فضیلت پر کوئی دو حدیثیں تلاش کر کے خوش خط لکھیے۔

سبق 3

اسمائے قرآن

لفظ ”قرآن“ کی لغوی تحقیق:

لفظ ”قرآن“ درج ذیل تین کلمات سے مشتق ماناجاسکتا ہے:

(1) قَرْن (2) قِرَاءَة (3) قَرْء

(1) قَرْن:

قَرْن کے معنٰی ہیں ”ملانا“ اس اعتبار سے قرآن کو ”قرآن“ کہنے کی 3 وجوہات ہیں:

- قرآن کی سورتیں، آیات اور حروف ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں۔
- قرآن میں موجود حکمتیں اور احکام ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں۔
- قرآن کے کتابُ اللہ ہونے پر دلائل ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں۔[1]

(2) قِرَاءَة:

لفظِ قرآن ”قِرَاءَة“ کا اسمِ مصدر[2] ہے، جیسے ”اَعْطٰی“ کا اسم مصدر ”عطاء“ ہے۔ قِرَاءَة کے معنٰی ہیں ”پڑھنا“ چونکہ قرآن کو پڑھا جاتا ہے اس لیے یہ اسمِ مفعول کے معنٰی میں کلامِ الٰہی کا نام ہوگیا، جیسے لفظِ ”کتاب“ لفظ ”مکتوب“ کے معنٰی میں استعمال ہوتا ہے۔

(3) قَرْء:

قَرْء کے معنٰی ہیں ”جمع کرنا“ اس اعتبار سے قرآن کو ”قرآن“ اس لیے کہا جاتا ہے کہ

---

1 ...... تفسیر کبیر، 2/253۔

2 ...... وہ اسم جو کسی کام یا حرکت کا نام ہو، جس کے حروف لفظاً اور تقدیراً فعل ماضی کے حروف سے کم ہوں نیز جس میں کوئی حرف دوسرے حرف کے عوض نہ ہو اسے اسم مصدر کہا جاتا ہے، مثلاً عطاء، ثواب، وضو وغیرہ یہ سب اسم مصدر ہیں جبکہ قتال اور عدۃ وغیرہ اسم مصدر نہیں ہیں۔

اس میں آیتیں اور سورتیں جمع ہیں۔[1] قرآن آسمانی کتابوں کے تمام فوائد کا جامع ہے بلکہ بعض نے یہاں تک بیان کیا کہ قرآن تمام علوم کا جامع ہے۔[2]

فائدہ: اللہ پاک نے یہ خوبصورت نام اپنے کلام کے ساتھ خاص فرمایا کہ عرب میں پہلے کبھی کسی کلام کو قرآن کہا گیا نہ کسی کتاب کا یہ نام ہوا۔[3]

قرآن کے صفاتی نام:

قرآن پاک کی صفات، خصوصیات اور کمالات کے لحاظ سے اس کے کثیر نام ہیں ان میں سے 58 اسمائے مبارکہ درج ذیل ہیں:

نام	معنیٰ	نام	معنیٰ
قرآن	پڑھی جانے والی کتاب	ذِکْر	یاد دلانے والی کتاب
کِتَاب	جمع کرنے والی کتاب	هُدٰی	ہدایت دینے والی کتاب
فُرْقَان	فیصلہ کرنے والی کتاب	حِکْمَة	حکمت والی کتاب
کَلَامُ اللہ	اللہ کا کلام	حُکْم	حکم دینے والی کتاب
حَبْل	رسی	بَیَان	ظاہر کرنے والی کتاب
اَحْسَنُ الْحَدِیْث	سب سے اچھی کتاب	حَکِیْم	حکمت والی کتاب
مَوْعِظَة	نصیحت والی کتاب	فَصْل	فیصلہ کرنے والی کتاب
شِفَا	شفا دینے والی کتاب	رُوْح	روح/ایک جاں فزا چیز

1. تفسیر کبیر، 2/253-254۔
2. مفردات الفاظ القرآن، ص669۔
3. الاتقان فی علوم القرآن، 1/159۔

رَحۡمَة	رحمت والی کتاب	تِبۡیَان	روشن بیان
بَصَائِر	دل کی روشنیاں	مُبِیۡن	روشن کتاب
عَدۡل	انصاف	اَمۡرُاللہ	اللہ کا حکم
مُنَادِی	ندا دینے والی کتاب	بُشۡرٰی	خوشخبری
مَجِیۡد	کمالِ شرف والا	بَلَاغ	حکم پہنچانا
صُحُف	صحیفے	مُکَرَّمَة	عزت والے صحیفے
نُجُوۡم	تارے یا حصے	نِعۡمَة	انعام
بَشِیۡر	خوشخبری دینے والی کتاب	مُهَیۡمِن	امانت دار یا محافظ
بُرۡهَان	واضح دلیل	قَصَص	حکایات
حَقّ	سچی بات	نَذِیۡر	ڈر سنانے والی کتاب
کَرِیۡم	عزت والی کتاب	عَظِیۡم	عظمت والی کتاب
مُبَارَك	برکت والی کتاب	عَلِی	بلندی
قَوۡلٌ فَصۡل	فیصلہ کی بات	نَبَأٌعَظِیۡم	بڑی خبر
عَرَبِی	عربی کتاب	وَحۡی	وحی
عَجَب	عمدہ کلام	تَذۡكِرَة	نصیحت
عُرۡوَةُ الۡوُثۡقٰی	مضبوط گرہ	صِدۡق	سچی بات
صِرَاطٌ مُّسۡتَقِیۡم	سیدھا راستہ دکھانے والی کتاب	هَادِی	راہ دکھانے والی والی کتاب

مَرْفُوْعَة	بلندی والے صحیفے	مُطَهَّرَة	پاکی والے صحیفے
تَنْزِيْل	تھوڑی تھوڑی نازل ہونے والی کتاب	نُوْر	چمک یا روشنی دینے والی کتاب
مُحْكَم	پختہ، مضبوط، حکمت بھری کتاب	قَيِّم	قائم رہنے والی کتاب / عدل والی کتاب
عَزِيْز	غالب / بے مثل / عزت والی کتاب	مَثَانِي	بار بار نازل ہونے والی کتاب[1]

مشق

سُوال: قَرْن کے معنیٰ اور اس اعتبار سے قرآن کی وجہ تسمیہ بیان کیجیے۔

سُوال: اسمِ مصدر کی تعریف لکھیے، نیز قرآن اگر اسمِ مصدر ہو تو اس کے معنیٰ کیا ہوں گے؟

سُوال: قَرْء کے معنیٰ اور اس اعتبار سے قرآن کی وجہ تسمیہ بیان کیجیے۔

سُوال: قرآن کے کوئی 10 صفاتی نام معنیٰ کے ساتھ یاد کرکے تحریر کیجیے۔

1 ...... تفسیر کبیر، 1/ 260 تا265-الاتقان فی علوم القرآن، 1/ 159 تا164-البرہان فی علوم القرآن 1/ 343 تا353- تفسیر نعیمی، 1/ 89 تا91- کنزالایمان۔

سبق 4

حدیثِ قدسی

حدیثِ قدسی کی تعریف:

هُوَمَا أَضَافَهُ النَّبِيُّ إِلَى اللهِ تَعَالَى

یعنی وہ حدیث جس کی نسبت رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم اللہ پاک کی طرف فرمائیں۔

حدیثِ قُدسی کو "حدیثِ الٰہی" اور "حدیثِ ربّانی" بھی کہا جاسکتا ہے۔[1]

حدیثِ قدسی کی خبر معلوم کرنے کا طریقہ:

جس حدیث کی سند میں راوی مندرجہ ذیل جملے کہے وہ حدیثِ قدسی ہوتی ہے:

- قَالَ رَسُوْلُ اللهِ فِيْمَا يَرْوِيْهِ عَنْ رَبِّهٖ

یعنی رسولُ اللہ نے فرمایا اس بارے میں جو آپ اپنے پَرْوَرْدِگار سے روایت فرماتے ہیں...۔

- قَالَ رَسُوْلُ اللهِ قَالَ تَعَالٰى

یعنی رسولُ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے...۔

- قَالَ رَسُوْلُ اللهِ يَقُوْلُ تَعَالٰى

یعنی رسولُ اللہ نے فرمایا کہ اللہ پاک فرماتا ہے...۔

حدیثِ قُدسی اور قرآن میں فرق:

حدیثِ قُدسی اور قرآن پاک دونوں ہی اللہ پاک کا کلام ہیں، لیکن ان کے درمیان

---

[1] ...... عمدۃ القاری، 8/11، تحت الحدیث: 1894۔

چند طرح سے اہم فرق بھی ہے؛ ذیل میں ایسے آٹھ فرق بیان کیے جارہے ہیں ملاحظہ کیجیے:

قرآن مجید	حدیثِ قدسی
لفظ اور معنیٰ دونوں اللہ کی طرف سے ہیں۔	معنیٰ اللہ کی طرف سے ہیں اور الفاظ رسولُ اللہ کی طرف سے۔(1)
روایت بالمعنیٰ(2) جائز نہیں۔	روایت بالمعنیٰ جائز ہے۔(3)
اس کے ساتھ نماز درست ہے۔	اس کے ساتھ نماز درست نہیں۔
تلاوت عبادت ہے اور قاری کو ہر حرف کے بدلے دس نیکیاں ملیں گی۔	تلاوت عبادت نہیں اور ثواب اسی طرح ہو گا جیسا دیگر اعمال میں ہوتا ہے۔(4)
بے وضو کو اس کا چھونا حرام ہے اور بے غسل کا تلاوت کرنا بھی حرام ہے۔	بے وضو اور بے غسل کا اس کو چھونا اور پڑھنا دونوں جائز ہیں۔(5)
الفاظ و معنیٰ دونوں کی روایت متواتر ہے۔	روایت کا متواتر ہونا ضروری نہیں۔(6)
صحت یقینی ہے اور تحریف و تبدیلی سے محفوظ ہے۔	صحیح، ضعیف بلکہ موضوع بھی ہو سکتی ہیں۔
پورا کا پورا مصحف شریف میں موجود ہے۔	کتبِ احادیث میں بکھری ہوئی ہیں۔

1. تیسیر مصطلح الحدیث، ص94۔
2. جس میں راوی حدیث کے اصل الفاظ کی جگہ اس کے مفہوم کو اپنے لفظوں میں بیان کرے۔
3. مناہل العرفان، ص42۔ 4. دلیل الفالحین، 1 / 173۔
5. دلیل الفالحین، 1 / 173۔
6. تیسیر مصطلح الحدیث، ص94۔

مشق

سُوال: حدیثِ رَبَّانی کی تعریف کیجیے۔

سُوال: حدیثِ الٰہی کو راوی کن الفاظ سے روایت کرتے ہیں؟

سُوال: قرآنِ مجید اور حدیثِ قُدسی کے درمیان فرق بتائیے۔

سُوال: درجِ ذیل اصطلاحات کی وضاحت کیجیے:

* سند * راوی * تحریف

* صحیح * ضعیف * موضوع

سبق 5

وحی

وحی کا معنیٰ:

وحی کا لفظ چھ معانی کے لیے آتا ہے: (1) اَلْاِشَارَۃ یعنی اشارہ کرنا (2) اَلْکِتَابَۃ یعنی لکھنا (3) اَلرِّسَالَۃ یعنی پیغام بھیجنا (4) اَلْاِلْھَام یعنی دل میں بات ڈالنا (5) اَلْکَلَامُ الْخَفِیُّ یعنی خفیہ بات کرنا (6) اَلصَّوْتُ فِی الْاَشْیَاءِ یعنی چیزوں میں پیدا ہونے والی آواز۔ [1]

وحی کی تعریف:

ھُوَ کَلَامُ اللهِ الْمُنَزَّلُ عَلٰی نَبِیٍّ مِّنْ اَنْبِیَائِہٖ۔ [2]

یعنی اللہ پاک کا وہ کلام جو کسی نبی پر نازل ہوا ہو۔

وحی کی اقسام:

انبیائے کِرام علیہمُ الصّلوٰۃُ والسّلام کے حق میں وحی کی درج ذیل تین قسمیں ہیں:

(1) بغیر کسی واسطے کے اللہ پاک کا قدیم کلام سننا، مثلاً پیارے آقا صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے شبِ معراج کلامِ دِل نواز سننے کا شرف پایا۔

(2) فرشتے کے ذریعے اللہ پاک کا کلام آنا، مثلاً قرآنِ مجید کی اکثر آیات۔

(3) انبیائے کِرام کے دلوں میں معانی ڈالنا، جیسا کہ رسولُ اللہ نے فرمایا: اِنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِیْ رُوْعِیْ [3] یعنی جبریلِ امین علیہ السّلام نے میرے دل میں القا فرمایا۔ [4]

وحی کی صورتیں:

انبیائے کِرام کی طرف سات طریقوں سے وحی آیا کرتی تھی:

---

1 ...... عمدۃ القاری، 1 / 37۔ 2 ...... عمدۃ القاری، 1 / 37۔ 3 ...... شرح السنۃ، 7 / 330، حدیث: 4007۔

4 ...... عمدۃ القاری، 1 / 74، تحت الحدیث: 2۔

(1) خواب میں وحی ہو، جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں بیٹے کی قربانی کا حکم ہوا۔

(2) گھنٹی کی آواز جیسی آواز ہو، وحی کی یہ قسم سب سے سخت ہوا کرتی تھی۔

(3) دل میں القا ہو۔

(4) فِرِشتہ کسی مرد کی شکل میں وحی لے کر آئے، جیسے حضرتِ جبریلِ امین علیہ السلام حضرتِ دِحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں حاضرِ بارگاہ ہوتے۔

(5) حضرت جبریلِ امین علیہ السلام اپنی اصل صورت میں حاضر ہوں کہ ان کے چھ سو بازو ہوتے جن سے یاقوت اور موتی جھڑتے۔

(6) اللہ پاک کا کلامِ قدیم سنیں، خواہ بیداری میں ہو جیسا کہ کوہِ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ملاحظہ فرمایا، یا خواب میں جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: أَتَانِي رَبِّي فِي أَحْسَنِ صُورَةٍ... فَقَالَ فِيمَ يَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْأَعْلَى؟ [1] یعنی میرے پروردگار نے مجھ پر بہترین تجلی فرمائی، پھر پوچھا ملاءِ اعلیٰ (مقرب فرشتے) کس بارے میں بحث کر رہے ہیں؟

(7) حضرت اِسرافیل علیہ السلام وحی لے کر حاضر ہوں، جیسا کہ آپ تین سال تک پیارے آقا صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی بارگاہ میں وحی لانے کی خدمت پر مامور تھے، پھر یہ خدمت حضرت جبریلِ امین علیہ السلام کے سپرد کر دی گئی۔ [2]

وحی کی کیفیات:

وحی کا نُزول بہت عظیم معاملہ ہے جس کی وجہ سے انسان رحمانی اُجالوں سے جا ملتا ہے اور یہ خوبی اللہ پاک اپنے ان برگزیدہ ہستیوں میں پیدا فرما دیتا ہے جن کو اِس شَرف سے

---

1 ...... ترمذی، 5 / 159، حدیث: 3245۔

2 ...... عمدۃ القاری، 1 / 74 تا 75، تحت الحدیث: 2۔ الروض الانف، 1 / 401 تا 402۔

نوازتا ہے؛ نُزولِ وحی کے وقت شدید مشقت کا سامنا ہوتا ہے جسے برداشت کرنا کسی بھی عام بَشَر کے بس کی بات نہیں۔ ذیل میں ان کیفیات کا بیان کیا جارہا ہے جو نُزولِ وحی کے وقت رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم پر طاری ہوا کرتی تھیں:

- جب وحی نازل ہوتی تو سخت ٹھنڈ کے موسم میں بھی پیشانی پر پسینا آنے لگتا۔[1]
- نُزولِ وحی کے وقت چہرۂ مبارکہ کے پاس مکھی کی بھنبھناہٹ جیسی آواز سنائی دیتی۔[2]
- وحی نازل ہوتے وقت آپ کا جسم مبارک بہت زیادہ وزنی ہوجاتا۔[3]
- اگر سواری کی حالت میں وحی آتی تو سواری کا جانور اس کا بوجھ برداشت نہ کرپاتا اور بیٹھ جاتا؛ اس میں حرکت کرنے کی بالکل طاقت نہ رہتی۔[4]

مشق

سوال: وحی کے لغوی معانی بیان کیجیے۔

سوال: وحی کی تعریف عربی میں یاد کیجیے اور اپنی کاپی پر اس کا خوش خط ترجمہ لکھیے۔

سوال: وحی کی اقسام بیان کیجیے۔

سوال: وحی کی سات صورتوں کے بارے میں بتایئے کون سی صورت کس قسم کے تحت ہوگی؟

سوال: بوقتِ وحی پیارے آقا صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی کیفیات پر روشنی ڈالیے۔

---

1 ...... بخاری، 1/7، حدیث:2۔ 2 ...... ترمذی، 5/117، حدیث:3184۔

3 ...... بخاری، 3/208، حدیث:4592۔

4 ...... مسند احمد، 9/430، حدیث:24922 - تفسیر طبری، 12/281، تحت الآیۃ:5 - علوم القرآن الکریم، ص21۔

سبق 6

نُزولِ قرآن

نزولِ قرآن کا معنیٰ:

قرآن کا لوحِ محفوظ اور آسمانِ دنیا پر نازل ہونا اور حقیقی الفاظ کے ساتھ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی طرف اترنا۔ [1]

نُزولِ قرآن کی تعداد:

قرآن مجید کا نزول تین مرتبہ ہوا:

پہلا نزول: لوحِ محفوظ کی طرف ایک ساتھ پورا قرآن نازل ہوا؛ چونکہ لوحِ محفوظ کی تخلیق کی حکمت یہی ہے کہ اس میں ہر شے لکھ دی جائے [2] اور قرآن کا معاملہ اس کائنات میں سب سے اہم ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِیْدٌۙ(۲۱) فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ۠(۲۲)﴾ [3]

ترجمہ: بلکہ وہ کمال شرف والا قرآن ہے لوحِ محفوظ میں۔

دوسرا نزول: شبِ قدر میں لوحِ محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف ایک ساتھ ہی پورا قرآن نازل ہوا؛ تاکہ آسمان پر رہنے والے فِرِشتے قرآن اور صاحبِ قرآن یعنی رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی عظمت و شان سے واقف ہوجائیں، [4] جیسا کہ ان تین آیات سے معلوم ہوتا ہے:

(1) ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ﴾ [5]

ترجمہ: رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اترا۔

---

1 ...... مناہل العرفان، ص36۔ 2 ...... مناہل العرفان، ص37۔ 3 ...... پ30، البروج: 21-22۔

4 ...... المرشد الوجیز، ص24۔ 5 ...... پ2، البقرۃ: 185۔

(2) ﴿ اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ ﴾[1]

ترجمہ: بے شک ہم نے اُسے برکت والی رات میں اُتارا۔

(3) ﴿ اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ ﴾[2]

ترجمہ: بے شک ہم نے اسے شبِ قدر میں اتارا۔

تیسرا نزول: آسمانِ دنیا سے قلبِ مصطفٰے کی طرف کم و بیش 23 سال کے عرصے میں ضرورت کے مطابق تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا رہا تاکہ اللہ پاک کی عنایات کا ظہور ہوتا رہے، شرعی احکام کا آہستہ آہستہ نفاذ ہو اور اُمّت پر کسی قسم کی دُشواری نہ ہو۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ قُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّ نَزَّلْنٰهُ تَنْزِیْلًا ﴾[3]

ترجمہ: اور قرآن ہم نے جدا جدا کرکے اتارا کہ تم اسے لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر پڑھو اور ہم نے اسے بتدریج رہ رہ کر اتارا۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیْنٍ ﴾[4]

ترجمہ: اُسے روح الامین لے کر اُترا تمہارے دل پر کہ تم ڈر سناؤ روشن عربی زبان میں۔[5]

مُتَعَدِّد نُزول کی مُشترکہ حکمت:

قرآن پاک کے اس کثرتِ نُزول یعنی پہلے لوحِ محفوظ، پھر آسمانِ دنیا اور پھر قلبِ مصطفٰے پر نازل فرمانے میں یہ حکمت ہے کہ قرآن سے ہر قسم کے شکوک و شبہات کی نفی ہو جائے اور مسلمانوں کے ایمان کی پختگی اور اعتماد کی زیادتی ہو کیونکہ جو کلام کئی دستاویزات

1 پ25، الدخان:3۔ 2 پ30، القدر:1۔ 3 پ15، بنی اسرائیل:106۔
4 پ19، الشعراء:193 تا 195۔ 5 مناہل العرفان، ص37 تا 40 ملخصاً۔

میں ہو اس کی صحت بڑھ جاتی ہے اور تمام شکوک و شبہات دور ہو جاتے ہیں، نیز سمجھ دار شخص اس کو درست تسلیم کرلیتا ہے۔(1)

❁ ❁ ❁ ❁

مشق

سُوال: نزولِ قرآن کا معنیٰ بیان کیجیے اور بتایئے متعدد نزول میں کیا حکمت تھی؟

سُوال: قرآن کے تین بار نزول میں سے ہر ایک کی ایک ایک حکمت بتایئے۔

سُوال: نزولِ قرآن والی آیات اپنی کاپی پر خوش خط تحریر کیجیے۔

---

1 ...... مناہل العرفان، ص39۔

سبق 7

حفاظتِ قرآن

حفاظتِ قرآن کے معنیٰ:

اللہ پاک نے قرآن پاک کو ہر قسم کے رد و بدل اور کسی بھی حرف و نقطہ کی کمی بیشی سے محفوظ رکھا ہے؛ اگر پوری دنیا بھی اس کے بدلنے پر جمع ہو جائے تو کامیاب نہیں ہو سکتی۔

حفاظتِ قرآن کی صورتیں:

اللہ پاک نے اپنی قدرت سے قرآنِ پاک کو محفوظ فرمایا، اس کی چند ظاہری صورتیں ملاحظہ کیجیے:

- قرآن کو معجزہ بنایا کہ کسی انسان کا کلام اس میں شامل ہی نہ ہو سکے۔
- قرآن کو مُقابَلے سے محفوظ فرمایا تاکہ کوئی اس جیسا کلام بنانے پر قادِر نہ ہو۔
- ساری مخلوق کو اس کے نیست و نابُود اور ختم کرنے سے عاجِز کر دیا کہ کُفّار پکے دشمن ہونے کے باوجود اس کتاب کو مٹانے سے عاجِز ہیں۔[1]
- اُمّت کے لیے اس کا یاد کرنا آسان فرمادیا تاکہ مَصاحف کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے سینوں میں بھی محفوظ رہے۔
- مختلف عُلوم مثلاً علمِ تجوید، علمِ قراءت اور علمِ تفسیر وغیرہ کے ذریعے قرآن کے لفظ لفظ بلکہ زبر زیر تک کو محفوظ فرمایا۔[2]

---

1 ...... تفسیر خازن، پ14، سورۃ الحجر، تحت الآیۃ:9، 3/95۔

2 ...... تفسیر نعیمی، 1/12 تا 13 ماخوذاً۔

قرآن میں شک کرنے والے کا حکم:

جو شخص قرآن میں کسی بھی قسم کی کمی زیادتی، ردوبدل یا کسی بھی طرح کی چھیڑ چھاڑ کا یقین رکھے یا اس کا شبہ جانے کافرو مرتد ہے کہ وہ صراحتاً قرآنِ عظیم کو جھٹلا رہا ہے۔[1] ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۝﴾[2] ترجمہ: بے شک ہم نے اتارا ہے یہ قرآن اور بے شک ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔

مشق

سُوال: حفاظتِ قرآن سے کیا مراد ہے؟

سُوال: حفاظتِ قرآن کی کوئی ایک صورت بیان کیجیے۔

سُوال: قرآن میں شک کرنے والا کس آیت کو جھٹلانے والا ہے؟ آیت اور ترجمہ بیان کیجیے۔

---

1 ...... فتاویٰ رضویہ، 14 / 259۔

2 ...... پ14، الحجر:9۔

سبق 8

جمعِ قرآن

جمعِ قرآن کا معنیٰ:

جمع سے مراد کسی بکھری ہوئی چیز کو یکجا کر دینا؛ جمعِ قرآن کا معنیٰ ہو گا کہ مکمل قرآن کو لوحِ محفوظ کی ترتیب کے مطابق حفظ و کتابت کی صورت میں ایک جگہ جمع کر دینا۔

جمعِ قرآن کی قسمیں:

جمعِ قرآن کی دو قسمیں ہیں:

(1) بصورتِ حفظ جمع کرنا (2) بصورتِ کتابت جمع کرنا

(1) بصورتِ حفظ جمع کرنا:

کلامِ الٰہی بصورتِ حفظ دورِ رسالت میں جمع ہو چکا تھا؛ جب جب قرآنِ پاک کا نُزول ہوتا نبیِ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم اس کو اپنے سینے میں محفوظ فرمالیتے اور پھر صحابۂ کِرام علیہم الرِّضوان کے سامنے ٹھہر ٹھہر کر قراءت فرماتے تاکہ وہ حضرات بھی قرآنِ کریم یاد کر لیں۔[1]

صحابۂ کِرام قرآنِ پاک حفظ کرنے کے لیے بہت اہتمام کرتے اور جنہیں زیادہ قرآن حفظ ہوتا وہ بہت خوشی کا اظہار کیا کرتے تھے؛ یہی وجہ ہے کہ زمانۂ رسالت میں ہی کثیر صحابہ کے سینے قرآن کے خزینے بن چکے تھے اور ایک بڑی تعداد قرآنِ پاک حفظ کر چکی تھی۔[2]

حفظِ قرآن کا یہ سلسلہ دورِ رسالت سے اب تک چلتا آرہا ہے اور شروع سے اب

---

1 ...... تفسیر بیضاوی، پ15، بنی اسرائیل، تحت الآیۃ: 106، 3/471۔

2 ...... مناہل العرفان، ص174۔

تک ہر زمانے میں بہت بڑی تعداد حفاظِ قرآن کی موجود ہوتی ہے؛اس میں عنایتِ الٰہی کا کمال یہ ہے کہ شروع شروع میں جو قرآن حفاظ کو یاد تھا آج بھی وہی قرآن حفاظ کے سینوں میں محفوظ ہے۔

(2) بصورتِ کتابت جمع کرنا:

اہلِ عرب کے مضبوط حافظے اور اشیائے کتابت (لکھنے والی چیزوں) کی کمی کے باعث اکثر صحابۂ کرام قرآنِ پاک کو حفظ کرکے ہی جمع کیا کرتے تھے، البتہ پیارے آقا صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے اپنی ظاہری حیات میں کتابتِ قرآن کا اہتمام بھی فرمادیا تھا اور یہی کتابت آگے چل کر قرآنِ پاک کو ایک مصحف کی شکل میں جمع کرنے کی بنیاد بنی۔ جمعِ قرآن کی اس صورت کو تین مراحل میں بیان کیا جارہا ہے ملاحظہ کیجیے:

پہلا مَرحلہ:

بصورتِ کتابت جمعِ قرآن کا پہلا مرحلہ دورِ رسالت ہی ہے؛[1] حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے کئی صحابہ کو وحیِ الٰہی لکھنے پر مقرر فرمایا تھا جیسے جیسے وحی آتی آپ ان حضرات کو لکھوادیتے اور اس آیت یا سورت کا مقام بھی ارشاد فرمادیتے یوں دورِ رسالت میں ہی پورا قرآن لکھا جاچکا تھا۔ لیکن قرآنِ پاک کے یہ صحائف ایک جگہ جمع نہیں کیے گئے تھے بلکہ مختلف صحابۂ کرام کے پاس موجود تھے۔

کاتبینِ وحی:

کتابتِ وحی کے لیے صحابۂ کرام کی ایک جماعت مقرر کی گئی تھی جو "کاتبینِ بارگاہِ رسالت"

---

1 ...... فتح الباری، 10/ 11، حدیث: 4988۔

کے نام سے جانی جاتی ہے؛ان میں سے 12 مشہور کاتبین کے نام یہ ہیں:

1- حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہُ عنہ
2- حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہُ عنہ
3- حضرت عثمان غنی رضی اللہُ عنہ
4- حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہُ عنہ
5- حضرت زبیر بن عوام رضی اللہُ عنہ
6- حضرت زید بن ثابت رضی اللہُ عنہ
7- حضرت اُبَیّ بن کعب رضی اللہُ عنہ
8- حضرت امیر معاویہ رضی اللہُ عنہ
9- حضرت مُغِیرہ بن شعبہ رضی اللہُ عنہ
10- حضرت عبد اللہ بن اَرْقَم رضی اللہُ عنہ
11- حضرت ثابت بن قَیْس رضی اللہُ عنہ
12- حضرت عامر بن فُہَیرہ رضی اللہُ عنہ (1)

اشیائے کتابت:

کاتبینِ وحی نے قرآن لکھنے کے لیے جن چیزوں کا انتخاب فرمایا وہ اپنے زمانے کے لحاظ سے نہایت مناسب اور پائیدار تھیں؛یہی وجہ ہے کہ جب جمعِ قرآن کا دوسرا مرحلہ شروع ہوا تو 23 برس پہلے املا کروائی ہوئی تحریریں بھی دریافت ہو گئیں! احادیث مبارکہ میں اشیائے کتابت کے درج ذیل نام ملتے ہیں:

اَدِیْم: وہ چمڑا جو دباغت کے بعد باریک کھالوں سے بنایا جاتا ہے۔

لِخَاف: لَخْفَۃ کی جمع ہے یعنی پتھر کی بنی ہوئی ایک خاص قسم کی چوڑی اور سفید تختی۔

کَتِف: اونٹ یا بکری کے مونڈھے کے پاس کی وہ ہڈی جو خاص انداز سے تراش کر نکالنے سے بڑی پلیٹ کی طرح بن جاتی ہے۔

عَسِیْب: کھجور کی شاخوں میں تنے سے ملا ہوا کشادہ حصہ جسے شاخ سے جدا کر کے خشک کر لیا جاتا ہے اور اس کے ٹکڑے لکھنے کے کام آتے ہیں۔

---

(1) السیرۃ الحلبیۃ، 3/ 457تا458، ملتقطاً۔

آقتاب: اونٹ کے کجاوے کے چوڑے اور پتلے تختے جو زیادہ استعمال ہونے کی وجہ سے صاف اور چکنے ہو جاتے ہیں اور لکھنے کے کام آسکتے ہیں۔

رِقاع: چرمی پارچوں اور کاغذ یا پتے کے ٹکڑوں کو کہتے ہیں یہ بھی کتابت کے لیے استعمال ہوتے تھے۔[1]

دوسرا مرحلہ:

جمعِ قرآن کا دوسرا مرحلہ مسلمانوں کے پہلے خلیفہ حضرتِ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت ہے؛ پہلے مرحلے میں اگرچہ قرآن پاک لکھا جاچکا تھا مگر اس کے صحیفے ایک جگہ جمع نہیں کیے گئے تھے بلکہ مختلف صحابۂ کرام کے پاس موجود تھے اور جمعِ قرآن صرف حفاظ صحابۂ کرام کے سینوں میں تھا؛ اب ان صحیفوں کو ایک جگہ جمع کرنے کی ضرورت تھی۔

دوسرے مرحلے کا بنیادی سبب:

رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کے وصالِ ظاہری کے بعد کئی فتنوں نے سر اٹھایا ان ہی میں سے ایک خطرناک فتنہ مُسَیْلِمَہ کَذَّاب کا ہے جس نے اللہ کے آخری نبی کی مبارک زندگی میں ہی نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا، حضور کے پردہ فرمانے کے بعد اسے مزید موقع مل گیا؛ اس کو ختم کرنے کے لیے جنگِ یَمامہ ہوئی جس میں سینکڑوں حفاظ صحابۂ کرام شہید ہوئے!

حفاظ صحابہ کی شہادت نے بڑے بڑے صحابۂ کرام کو چونکا دیا اور بصورتِ کتابت جمعِ قرآن کو ضروری سمجھا گیا، لہٰذا خلافتِ راشدہ کی نگرانی میں ہی جمعِ قرآن کا دوسرا مرحلہ شروع ہوا۔[2]

---

1 ...... الاتقان فی علوم القرآن، 1 / 185 تا 186 - تدوین قرآن، ص 61 تا 63۔

2 ...... بخاری، 3 / 398، حدیث: 4986 ماخوذاً۔

جمعِ قرآن کی صورت:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما کو جمعِ قرآن کا حکم فرمایا اور انہیں ہدایت فرمائی کہ آپ دونوں مسجد کے دروازے پر بیٹھ جائیں اور کسی بھی آیت کو جمع کرنے سے پہلے کم از کم دو گواہیاں لازمی لیں![1] انہوں نے اس عظیم منصوبے کو اپنے ذمے لیا اور نہایت محنت کے ساتھ جمعِ قرآن کے لیے مشغول رہے؛ حفاظ صحابۂ کِرام کے ساتھ ساتھ مختلف صحیفوں میں درج قرآن کو بھی جمع کیا بالآخر زمانۂ رسالت میں مرتب شدہ سورتوں اور آیات پر مشتمل صحائف ایک جگہ اکٹھے ہو گئے۔[2]

قرآنی آیات اور سورتوں پر مشتمل یہ صحائف حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس محفوظ رہے، آپ کے بعد حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور پھر ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے ان کی حفاظت فرمائی، بعد ازاں حضرتِ عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ نے ان صحائف کی روشنی میں مصحف تیار فرمایا۔[3]

جمعِ صدیقی کی خصوصیات:

آیاتِ قرآنیہ کی تحقیق و تفتیش اور تلاش و جستجو میں درجِ ذیل باتیں ملحوظ رکھی گئیں:

❁ دورِ رسالت کا کتابت شدہ قرآن مختلف چیزوں پر بکھرا ہوا تھا اسے یکجا کر کے پیشِ نظر رکھا؛ یہ وہ اصل تھی جسے خود رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے املا کرایا تھا اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق املا کے بعد پڑھوا کر سنا بھی تھا بلکہ جہاں اصلاح کی ضرورت

---

1 ...... کنز العمال، الجزء الثانی، 1 / 243، حدیث: 4753

2 ...... فتاویٰ رضویہ، 26 / 451- تدوین قرآن، ص 92۔

3 ...... بخاری، 3 / 398، حدیث: 4987 ماخوذاً۔

تھی اصلاح بھی فرمادی تھی۔

۞ لوگوں کے پاس جس چیز پر بھی قرآن لکھا ہوا تھا حتَّی الامکان ان سب چیزوں کو جمع کر دیا۔

۞ حضرت زید نے خود حافظ ہونے کے باوجود ہر آیت کی تصدیق دو حفاظ سے کروائی۔ [1]

جمعِ صدیقی کی حکمتیں:

جمعِ قرآن کے اس فیصلے میں بہت سی حکمتیں پوشیدہ تھیں ان میں سے تین حکمتیں ملاحظہ ہوں:

۞ سب سے بنیادی فکر یہ لاحق تھی کہ حفاظ کے مسلسل شہید ہو جانے سے کلامِ الٰہی کا کوئی حصہ ضائع نہ ہو جائے لہٰذا قرآن کو مضبوط بنیادوں پر جمع کر لیا گیا۔

۞ قرآن کا ایک قابلِ اعتماد نسخہ جمع کرنا مقصود تھا تاکہ وقتِ ضرورت اس کی طرف رجوع کیا جاسکے۔

۞ بعد میں کوئی بھی یہ دعویٰ نہ کر سکے کہ میرے پاس بھی قرآن کا کچھ حصہ موجود ہے اور لوگ ناسخ و منسوخ یا کمی زیادتی کے نام پر کسی قسم کی تبدیلی نہ کر سکیں۔ [2]

تیسرا مرحلہ:

جمعِ قرآن کا تیسرا مرحلہ امیر المؤمنین حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت ہے؛ پہلے دو مراحل میں اگرچہ قرآنِ پاک لکھا جاچکا تھا اور ایک جگہ صحیفوں کی صورت میں جمع بھی ہو گیا تھا، مگر اس کی ایک جلد اور پھر اس جلد کی مزید نقول اور نسخے تیار نہیں کیے گئے تھے۔ کثیر حضرات کو قرآنِ پاک حفظ تھا وہ اپنی اپنی لغتوں میں قرآن پڑھتے تھے، لیکن اب قرآنِ پاک کی کتابی اشاعت ضروری تھی اور لوگوں کو مختلف لغتوں کے بجائے ایک لغت

1 ...... تدوین قرآن، ص 71۔ 2 ...... مناہل العرفان، ص 182۔

پر جمع کرنا ضروری تھا۔[1]

تیسرے مرحلے کا بنیادی سبب:

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے دور میں اسلام کی سرحدیں دور دور تک پھیل گئیں اور بہت سے قبائل اور علاقوں کے لوگ دامنِ اسلام میں پناہ لینے لگے تو مختلف لغتوں میں قرآن پڑھنے کی وجہ سے تنازعات کا سامنا کرنا پڑتا؛ ایک علاقے کے لوگ اپنی لغت کے علاوہ دوسری لغت میں کسی کو تلاوت کرتا دیکھتے تو اس سے الجھ پڑتے، ایسے واقعات دورِ رسالت سے دورِ فاروقی بلکہ خلافتِ عثمانی تک چلتے آرہے تھے مگر شروع میں اس کی اجازت باقی رکھی گئی کہ اس میں لوگوں کے لیے آسانی تھی، ہر کوئی اپنی لغت پر قرآن پڑھ لیتا تھا، مگر یہ صورت اب مسلمانوں کی کثرت کی وجہ سے پریشان کن حالت اختیار کر گئی تھی لہٰذا اس رخصت کو ختم کرنا ضروری ہو گیا تھا۔[2]

جمعِ قرآن کی صورت:

امیر المؤمنین حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ نے دورِ صدیقی میں جمع کیے گئے صحائفِ قرآنیہ کے مطابق لغتِ قریش پر مصحف شریف مرتب کرنے کا اہتمام فرمایا اور وہی کچھ برقرار رکھا جو رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم سے ثابت ہو سکا؛ اس کے علاوہ کسی بھی لغت میں قرآن پڑھنے پر پابندی لگا دی گئی، حتّٰی کہ مختلف لغتوں میں موجود قرآن کے صحیفوں کو ختم کر دیا گیا۔[3]

---

1 ...... لغت سے متعلق تفصیلی کلام سبق نمبر 11 صفحہ نمبر 58 پر آرہا ہے۔

2 ...... بخاری، 3/398، حدیث: 4987 ماخوذاً- عمدۃ القاری، 13/536، تحت الحدیث: 4987- طبری، 1/36- الاتقان فی علوم القرآن، 1/187۔

3 ...... بخاری، 3/399، حدیث: 4987 ماخوذاً- فتح الباری، 10/19، حدیث: 4988۔

جمعِ عثمانی کی خصوصیات:

جمعِ قرآن کے اس دور میں درج ذیل باتوں کو بالخصوص ملحوظ رکھا گیا:

1. پورے قرآن کو ایک مصحف (جلد) کی شکل میں مرتب کیا گیا۔
2. مصحفِ عثمانی کے علاوہ کسی بھی لغت میں قرآن پڑھنے پر پابندی لگادی گئی۔
3. مشہور اور مرکزی شہروں کی طرف اسی مصحف (جلد) کی نقلیں روانہ کی گئیں۔[1]
4. تمام سورتوں کو باہمی ترتیب سے لکھا گیا۔
5. اس خدمت کے لیے حضرت زید بن ثابت کو ترجیحی بنیادوں پر منتخب کیا گیا کیونکہ آپ کاتبِ وحی ہونے کے ساتھ دورِ صدیقی کے صحائف جمع کرنے والے بھی تھے۔[2]

جمعِ عثمانی کی حکمتیں:

جمعِ قرآن کے اس فیصلے میں کئی حکمتیں تھیں ان میں سے تین ملاحظہ ہوں:

1. مسلمانوں کو اختلاف قرآن کے فتنے سے محفوظ رکھنا۔
2. مسلمانوں کو اجتماعیت پر قائم رکھنا۔
3. قیامت تک آنے والے مسلمانوں کے لیے آسانی پیدا کرنا۔[3]

جمعِ صدیقی و جمعِ عثمانی میں فرق:

جمعِ قرآن ہر دور میں اپنی اسی ترتیب پر ہوا جو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے ارشاد فرمائی، البتہ ان کے اغراض و مقاصد وغیرہ میں معمولی سا فرق تھا جس کا بیان طلبہ کے لیے آسانی کا سبب ہو گا:

---

1 ...... فتاویٰ رضویہ، 26/452 ماخوذاً۔

2 ...... فتح الباری، 10/17، حدیث: 4988- تدوین قرآن، ص 92۔ 3 ...... شرح السنۃ للبغوی، 3/56 ماخوذاً۔

جمعِ عثمانی	جمعِ صدیقی
فتنے سے بچانے کے لیے جمع کیا گیا۔	ضائع ہونے کے خوف سے جمع کیا گیا۔
مقصد ایک لغت پر جمع کرنا تھا	مقصد صرف جمع قرآن تھا
صحائف سے مصحف مرتب کیا گیا تھا۔	مختلف صحائف کو یکجا کیا گیا تھا۔
سورتوں کی بھی ترتیب کر دی گئی تھی۔	آیات کو ترتیب سے لکھا گیا تھا۔

مشق

سُوال: جمعِ قرآن کا معنیٰ بیان کیجیے اور اس کی قسموں پر روشنی ڈالیے۔

سُوال: دورِ رسالت میں جمعِ قرآن کی کیا صورت تھی؟

سُوال: جمعِ قرآن کے دوسرے اور تیسرے مرحلے کے اسباب بتائیے۔

سُوال: جمعِ صدیقی اور جمعِ عثمانی کی الگ الگ خصوصیات ذکر کیجیے۔

سُوال: جمعِ قرآن کی صورتوں کو کم از کم تین تین مرتبہ پڑھیے اور بتائیے آپ کو کیا سمجھ آیا؟

سُوال: جمعِ صدیقی اور جمعِ عثمانی کی حکمتیں بیان کیجیے۔

سُوال: جمعِ صدیقی اور جمعِ عثمانی میں فرق بیان کیجیے۔

سُوال: کاتبینِ وحی کی تعداد بیان کیجیے اور آپ کو کتنے کاتبین کے نام یاد ہیں تحریر کیجیے۔

سُوال: اشیائے کتابت کے نام یاد کیجیے، نیز تمام کا لغوی معنیٰ تلاش کر کے سبق میں دی گئی وضاحت کو اپنے لفظوں میں لکھیے۔

سبق 9

ترتیبِ قرآن

ترتیب کی تعریف:

مختلف اجزا کو اس طرح جمع کر دینا کہ ان اجزا میں تقدیم و تاخیر کی وجہ سے تعلق اور مناسبت پیدا ہو جائے۔[1]

ترتیبِ قرآن کا معنیٰ:

قرآنِ پاک کی آیات اور سورتوں کی موجودہ ترتیب نبیِ پاک صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی ہدایت سے اللہ پاک کے حکم اور حضرتِ جبریلِ امین علیہ السّلام کے بیان کے مطابق ہوئی؛ یہی ترتیب لوحِ محفوظ میں بھی موجود ہے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس میں اپنی رائے سے کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی۔[2]

ترتیبِ قرآن کی تفصیل سے پہلے آیت اور سورت کا معنیٰ اور تعریف ملاحظہ کیجیے:

آیت کے لغوی معنیٰ:

آیت کے تین معانی ہیں: (1) جماعت (2) تعجب خیز چیز (3) علامت

ان تینوں معانی کے اعتبار سے آیت کی وجہ تسمیہ ملاحظہ کیجیے:

- یہ چند حروف کے مجموعے کا نام ہے۔
- یہ اپنے خوبصورت کلمات اور عمدہ معانی کی وجہ سے تعجب خیز ہے۔
- یہ نبی پاک صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی نبوت کے حق ہونے کی ایک علامت ہے۔[3]

---

1 ...... التعریفات، ص41۔ 2 ...... ارشاد الساری، 11 / 303، تحت الحدیث: 4987۔

3 ...... البرہان فی علوم القرآن، 1 / 335۔

آیت کی تعریف:

حروف یا کلمات سے مرکب قرآن کا وہ خاص حصہ جو نبیِ پاک صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے بیان سے کسی سورت کا حصہ بنے، نیز پہلے اور بعد والے کلام سے علیحدہ ہو۔ مثلاً ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ﴾ وغیرہ۔[1]

وضاحت: پہلے اور بعد والے کلام سے علیحدہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ پہلے اور بعد والی آیت کا جزء نہ ہو، یہ مطلب نہیں کہ معنٰی کے اعتبار سے تعلق نہ ہو۔ مثلاً ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ﴾ ایک مکمل آیت ہے، کیونکہ یہ اگلی اور پچھلی آیت کا حصہ نہیں، لیکن ان میں معنوی تعلق موجود ہے۔

سورت کے لغوی معنٰی:

سورت کے دو معنٰی ہیں: (1) بلند مرتبہ (2) شہر کی دیوار

دونوں معانی کے اعتبار سے سورت کی وجہِ تسمیہ ملاحظہ کیجیے:

- قرآن کی ہر سورت کا ایک بلند مرتبہ ہے۔
- قرآن کی ہر سورت شہر کی دیوار کی طرح اپنے مضامین کا احاطہ کرتی ہے۔[2]

سورت کی اصطلاحی تعریف:

آیاتِ قرآنیہ پر مشتمل قرآن کا وہ حصہ جسے نبی پاک صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے خاص نام کے ساتھ معین فرما دیا ہو، مثلاً سورۂ کوثر وغیرہ۔[3]

---

1. ...... البرہان فی علوم القرآن، 1/336۔
2. ...... الاتقان فی علوم القرآن، 1/165۔
3. ...... الاتقان فی علوم القرآن، 1/166۔

ترتیبِ قرآن کی اَقسام:

ترتیبِ قرآن کی دو قسمیں ہیں: (1) ترتیبِ نُزولی (2) ترتیبِ مُصْحَفِی

ترتیبِ نُزولی:

جس ترتیب سے قرآن کی آیات نازل ہوئیں اسے "ترتیبِ نزولی" کہا جاتا ہے، مثلاً سورۂ عَلَق کی ابتدائی آیات سب سے پہلی وحی میں نازل ہوئیں پھر سورۂ مُدَّثِّر کی آیات نازل ہوئیں، اسی طرح موقع اور ضرورت کے مطابق آیات کا نزول ہوتا رہا۔

ترتیبِ مُصْحَفِی:

جس ترتیب سے امیرُ المؤمنین حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ نے مختلف صحائف جمع کروا کر انہیں مصحف میں لکھوایا اسے "ترتیبِ مصحفی" کہا جاتا ہے۔

آیات اور سورتوں کی ترتیب توقیفی ہے:

قرآنِ پاک کی آیات اور سورتوں کی ترتیب، توقیفی[1] ہے[2] یعنی جو ترتیب نبی پاک صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بیان فرمائی انہوں نے اسی کے مطابق قرآن کو مرتب فرمایا۔[3] جب کوئی آیت نازل ہوتی تو آپ کاتبینِ وحی میں سے کسی کو بلاتے اور اس آیت کو رکھنے کا خاص مقام بیان کر کے اسے لکھنے کا حکم فرماتے۔[4] جب آخری آیت نازل

---

1 ...... قرآن و حدیث سے ثابت شدہ وہ کام جس میں انسانی عقل کو دخل نہ ہو اسے "امرِ توقیفی" کہا جاتا ہے۔ مثلاً کیفیات عبادات، آیات قرآنیہ کی ترتیب اور عبادات کی معین مقداریں جیسے رکعات کی تعداد یا زکوٰۃ کی معین مقدار وغیرہ۔ (عمدۃ القاری، 9/656- فتح الباری، 14/250- المبسوط للسرخسی، الجزء الرابع، 2/13- فتاویٰ رضویہ، 21/581)

2 ...... فواتح الرحموت، 2/14۔

3 ...... ارشاد الساری، 11/303، تحت الحدیث: 4987۔ 4 ...... ترمذی، 5/59، حدیث: 3097۔

ہوئی تو حضرتِ جبریل علیہ السّلام نے آپ سے عرض کیا کہ اسے آیاتِ رِبا اور آیتِ دَیْن کے درمیان رکھ دیجیے۔[1]

نبی پاک صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم ہر سال رَمَضان میں حضرت جبریل علیہ السّلام کے ساتھ قرآن کا دور فرماتے؛ آپ نے زندگی کے آخری سال دو مرتبہ قرآن کا دور فرمایا، اس دورۂ قرآن میں جو ترتیب تھی صحابۂ کرام نے اسی ترتیب کو برقرار رکھا اور اسی پر مصحفِ عثمانی تیار کیا گیا،[2] یہی ترتیب آج تک تَواتُر کے ساتھ چلی آرہی ہے۔

قرآن کی ترتیبِ توقیفی کیسے ممکن بنی؟

سُوال: دورۂ قرآن حضرتِ جبریل علیہ السّلام اور نبی پاک صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے فرمایا؛ صحابۂ کرام رضی اللہُ عنہم کو اس میں ہونے والی ترتیب کا علم کس طرح ہوا؟

جواب: آخری دورۂ قرآن میں حضرتِ زید بن ثابت رضی اللہُ عنہ موجود تھے اور یہ دیگر افراد کو ساری زندگی وہی قراءت سکھاتے جو انہوں نے اس آخری دورۂ قرآن میں سنی تھی، اسی وجہ سے امیر المؤمنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہُ عنہ اور امیر المؤمنین حضرتِ عمر فاروق اعظم رضی اللہُ عنہ نے جمعِ قرآن کے معاملے میں ان ہی پر اعتماد کیا اور امیر المؤمنین حضرتِ عثمانِ غنی رضی اللہُ عنہ نے انہیں کاتبینِ مَصاحف (قرآن مجید لکھنے والوں) کا سربراہ مقرر کیا۔[3]

سورتوں کی ترتیبِ توقیفی پر دلائل:

1-دلیل: وہ احادیث جن میں سورتوں کے پڑھنے کی ترغیب یا فضیلت بیان ہوئی ہے ان میں سے اکثر میں ترتیب وہی ہے جو موجودہ مصحف میں ہے، دو احادیث ملاحظہ کیجیے:

---

[1] الاتقان فی علوم القرآن، 1/195۔ [2] ارشاد الساری، 11/316، تحت الحدیث:4998۔

[3] شرح السنۃ، 3/57-ارشاد الساری، 11/304، تحت الحدیث:4987۔

(1)ام المؤمنین حضرتِ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی پاک صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم جب اپنے بستر پر آرام کے لیے تشریف لاتے تو اپنی ہتھیلیاں ملا کر ان میں ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ﴾، ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۙ﴾ اور ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۙ﴾ پڑھ کر دم کرتے۔[1]

(2)حضرت ابو اُمامہ باہلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: دو روشن سورتیں سورۂ بَقَرہ اور سورۂ اٰلِ عمران پڑھا کرو۔[2]

2-دلیل: موجودہ مصحف میں حوَامِیم ترتیب سے ہیں لیکن مُسَبِّحات[3] مختلف مقامات پر ہیں، اسی طرح سورۂ شُعَرَاء اور سورۂ قَصَص جن کی ابتدا میں "طٰسٓمّٓ" ہے ان کے درمیان سورۂ نَمْل کے ذریعے فاصلہ ہے حالانکہ رائے کے مطابق انہیں ترتیب سے ہونا چاہیے تھا! اگر سورتوں کی ترتیب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہ کی ذاتی رائے سے ہوتی تو ان سورتوں کو بھی ترتیب وار جمع کر دیا جاتا۔[4]

---

1 ...... بخاری، 3 / 407، حدیث: 5017۔

2 ...... مسلم، ص 314، حدیث: 1874۔

3 ...... یہ سورتوں کے مجموعوں کے نام ہیں ان کی وضاحت سبق نمبر 10 صفحہ نمبر 55 پر آ رہی ہے۔

4 ...... الاتقان فی علوم القرآن، 1 / 198۔

مشق

سُوال: ترتیب کی تعریف اور ترتیبِ قرآن کے معنیٰ تحریر کیجیے۔

سُوال: سورت اور آیت میں فرق واضح کیجیے۔

سُوال: ترتیبِ قرآن کی اقسام مثالوں کے ساتھ تحریر کیجیے۔

سُوال: امرِ توقیفی کا معنیٰ نیز آیتوں اور سورتوں کا توقیفی ہونا جامع الفاظ میں لکھیے۔

سُوال: صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو دورۂ اخیرہ کی ترتیب کا علم کیسے ہوا؟

سُوال: سورتوں کی ترتیب، توقیفی ہونے کے دلائل دیجیے۔

سبق 10

تقسیمِ قرآن

تقسیمِ قرآن کا معنٰی:

تلاوتِ قرآن اور فہمِ قرآن وغیرہ مقاصد کے پیشِ نظر قرآن کو الگ الگ حصوں میں تقسیم کرنا۔

قرآن کی تقسیم:

قرآنِ پاک کی آٹھ اعتبار سے تقسیم کی گئی ہے جن میں سے بعض دورِ رسالت میں ہو گئیں تھیں اور کچھ صحابہ اور بعد کے علما و قراء کی جانب سے کی گئیں اور اب تک مشہور ہیں:

(1) سورتوں کے اعتبار سے
(2) آیات کے اعتبار سے
(3) پاروں کے اعتبار سے
(4) رکوع کے اعتبار سے
(5) رُبُع کے اعتبار سے
(6) منزل کے اعتبار سے
(7) خُمس، عُشُر یا جزء کے اعتبار سے
(8) مقدار و مضمون کے اعتبار سے

(1) سورتوں کے اعتبار سے تقسیم:

نبیِ پاک صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے قرآنِ پاک کو 114 سورتوں میں تقسیم فرمایا، قرآنی سورتوں کی ترتیب بھی بیان فرمائی اور ہر سورت کا ایک خاص نام بھی بیان فرمایا۔

سورتوں میں تقسیم کرنے کی حکمتیں:

قرآنِ پاک کو سورتوں میں تقسیم کرنے کی چند ممکنہ حکمتیں ملاحظہ کیجیے:

- پڑھنے اور حفظ کرنے میں آسانی ہو۔
- پڑھنے والے کی دلچسپی برقرار رہے۔

❁ قرآن کے باہمی مناسبت والے مضامین کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے۔

❁ واضح ہو جائے کہ قرآن کی مختصر سورت بھی طویل سورت کی طرح معجزہ ہے۔[1]

(2) آیات کے اعتبار سے تقسیم:

قرآنِ پاک کی چھ ہزار سے زائد آیات ہیں؛[2] یہ تقسیم نبیِ پاک صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے خود فرمادی تھی، آپ ہر آیت پر وقف فرماتے اور آیات کے مقام کی تعیین بھی فرماتے تھے کہ کس آیت کو کہاں رکھنا ہے۔[3]

(3) پاروں کے اعتبار سے تقسیم:

نبیِ پاک صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی یہ حدیث "وَاقْرَءِ الْقُرْآنَ فِیْ کُلِّ شَھْرٍ یعنی ہر مہینے قرآن

---

1 ...... البرہان فی علوم القرآن، 1/333-334۔

2 ...... قرآن پاک کی کل آیات شمار کرنے میں ماہرین قرآن کا اختلاف ہے؛ یہ اختلاف معاذ اللہ قرآن پاک میں کمی زیادتی کی بنیاد پر نہیں بلکہ ایک ہی آیت کو دو شمار کرنے یا دو کو ایک شمار کرنے کی جہت سے ہے مثلاً سورۂ فاتحہ میں آیات کی تعداد جمہور کے نزدیک سات ہے، لیکن بعض ﴿صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ۙ﴾ کو ایک مستقل آیت شمار کرتے اور "بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ" کو بھی سورۂ فاتحہ کی مستقل آیت مانتے ہیں لہٰذا ان کے نزدیک سورۂ فاتحہ میں کل آیات آٹھ ہیں۔ بعض کے نزدیک اس کی آیات چھ اور بعض کے نزدیک نو ہیں۔ یوں ہی بعض نے سورۂ بقرہ کی 285 آیات شمار کی ہیں، بعض نے 286 کا فرمایا اور ایک قول کے مطابق اس کی آیات 287 ہیں۔ اسی طرح سورۂ آل عمران کی 200 آیات ہیں اور ایک قول کے مطابق 199 ہیں۔ یہ سلسلہ مزید چند سورتوں میں بھی ہے۔ آیاتِ قرآنیہ کو شمار کرنے کے اسی اختلاف کی بنا پر بعض حضرات نے پورے قرآن کی آیات کی تعداد صرف چھ ہزار بتائی، بعض نے 6204 فرمایا، کسی نے 6214 کا قول کیا، کسی نے 6219 شمار کیں، کسی نے 6225 گنیں، اور کسی نے 6236 کا عدد بیان کیا اور کسی نے 6666 تعداد بھی بتائی۔ (اتقان فی علوم القرآن، 1/210 تا 213 ملخصاً- مرآۃ المناجیح، 3/262) اب طباعت ہونے والے مصاحف میں آیت کے لیے ایک مخصوص نشان موجود ہے تو آیت کے اس نشان کے اعتبار سے جب ہم نے شائع ہونے والے مصاحف میں آیات شمار کیں تو وہ 6236 تھیں۔

3 ...... ترمذی، 5/59، حدیث: 3097۔

ختم کرو“۔ [1] قرآنِ پاک کے 30 پاروں کی تقسیم کی اصل ہے، اسی کی بنا پر قرآن پاک 30 پاروں میں تقسیم کیا گیا۔ [2] تاکہ روزانہ تلاوت کرنے والے آسانی سے ہر مہینے ایک قرآن ختم کرلیں۔ [3] البتہ! اس تقسیم میں تسلسلِ کلام اور معنوی تعلق کا خیال نہیں رکھا گیا۔ ہر پارے کا ابتدائی کلمہ لے کر اس پارے کا نام مقرر کر دیا گیا جس سے ہر پارے کا آغاز و اختتام معلوم ہو جاتا ہے۔ [4] ذیل میں 30 پاروں کے نام پہلے کلمے کے لحاظ سے ذکر کیے جارہے ہیں:

(1) الٓمّٓ
(2) سَیَقُوْلُ
(3) تِلْكَ الرُّسُلُ
(4) لَنْ تَنَالُوا
(5) وَّ الْمُحْصَنٰتُ
(6) لَا یُحِبُّ اللّٰهُ
(7) وَاِذَا سَمِعُوْا
(8) وَلَوْ اَنَّنَا
(9) قَالَ الْمَلَاُ
(10) وَاعْلَمُوْٓا
(11) یَعْتَذِرُوْنَ
(12) وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ
(13) وَمَآ اُبَرِّئُ
(14) رُبَمَا
(15) سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ
(16) قَالَ اَلَمْ
(17) اِقْتَرَبَ
(18) قَدْ اَفْلَحَ
(19) وَقَالَ الَّذِیْنَ
(20) اَمَّنْ خَلَقَ
(21) اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ
(22) وَمَنْ یَّقْنُتْ
(23) وَمَالِیَ
(24) فَمَنْ اَظْلَمُ
(25) اِلَیْهِ یُرَدُّ
(26) حٰمٓ
(27) قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ
(28) قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ
(29) تَبٰرَكَ الَّذِیْ
(30) عَمَّ

---

[1] مسلم، ص451، حدیث:2730۔ [2] روح البیان، 9/98، تحت الآیۃ:18۔ [3] مراٰۃ المناجیح، 3/188۔

[4] 30 پاروں کی تقسیم امیر المومنین حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ نے نہیں کی نہ ہی یہ تقسیم کسی صحابی یا تابعی کی بیان کردہ ہے بلکہ یہ بھی واضح نہیں کہ پاروں کی اس تقسیم کی ابتدا کس نے کی! یہ تقسیم بہت بعد میں کی گئی ہوگی۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص نے اس کی ابتداء کی اس نے اپنے پاس موجود مصحف شریف کو برابر برابر اوراق میں 30 حصوں پر تقسیم کرلیا ہوگا جو آج ہمارے سامنے ہے اور یہی تقسیم مختلف شہروں میں رائج ہو چکی ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، 26/492 ملخصاً)

(4) رکوع کے اعتبار سے تقسیم:

یہ تقسیم دورِ رسالت میں نہیں تھی، بلکہ خلافتِ عثمانیہ میں کی گئی؛ امیر المؤمنین حضرتِ عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ تراویح کی 20 رکعتوں میں جس قدر تلاوت کر کے رکوع فرماتے اسے مشائخ نے "رکوع" کا نام دیا اور 540 رکوع مقرر فرمائے، تاکہ تراویح کی ہر رکعت میں ایک رکوع پڑھ کر ستائیسویں شب میں ختمِ قرآن ہوسکے۔[1] اس کے علاوہ بھی رکوع کی تعداد مقرر کی گئی ہے جیسے بعض بزرگوں نے 480 مقرر فرمائے اور ہمارے مصاحف میں 558 مقرر ہوئے۔

"ع" کس چیز کی علامت ہے؟

قرآن کے حاشیہ پر موجود "ع" رکوع کی علامت ہے؛ ہر رکوع کے اختتام پر یہ علامت لگائی جاتی ہے، اس کی مراد میں تین قول ہیں:

1. جماعتِ تراویح کا باقاعدہ رواج دینے والے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی جانب اشارہ۔
2. جماعتِ تراویح کے رواج کو پوری دنیا میں پھیلانے والے امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ۔
3. لفظ رکوع کا مخفف؛ یہی صحیح ہے۔[2]

"ع" کے اردگرد اعداد کا مطلب:

قرآن کے حاشیہ پر موجود عین کے اردگرد اعداد لکھے ہوتے ہیں جیسے "ع" ان اعداد کی وضاحت یہ ہے:

---

1 ...... المبسوط، الجزء الثانی، 1/ 198 - مرآۃ المناجیح، 3/ 188۔ 2 ...... مرآۃ المناجیح، 3/ 188 - تفسیر نعیمی، 1/ 12۔

1. علامت کے اوپر لکھے ہوئے عدد سے مراد سورت کا رکوع نمبر ہے۔
2. درمیان میں لکھے ہوئے عدد سے مراد اس رکوع کی کل آیات ہیں۔
3. نیچے لکھے ہوئے عدد سے مراد پارے کا رکوع نمبر ہے۔

(5) رُبُع کے اعتبار سے تقسیم:

رُبُع کا معنیٰ ہے "چوتھائی حصہ"۔ اس سے پورے قرآن کا چوتھائی حصہ مراد نہیں بلکہ ایک پارے کا چوتھائی حصہ مراد ہے؛ قرآنِ پاک کے ہر پارے کے چار حصے کیے گئے؛

1. پہلے رُبُع کے اختتام پر مصحف کے صفحات پر دائیں بائیں "اَلرُّبُع" لکھا گیا۔
2. دوسرے رُبُع کے اختتام پر مصحف کے صفحات پر دائیں بائیں "اَلنِّصْف" لکھا گیا۔
3. تیسرے رُبُع کے اختتام پر مصحف کے صفحات پر دائیں بائیں "اَلثَّلٰثَہ" لکھا گیا۔
4. چوتھے رُبُع پر پارے کا اختتام ہو گیا۔

(6) منزل یا احزاب کے اعتبار سے تقسیم:

یہ تقسیم زمانۂ رسالت میں ہو چکی تھی؛ نبیِ پاک صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی حدیث "فَاقْرَءْهُ فِيْ كُلِّ سَبْعٍ یعنی ہر سات دن میں ایک بار ختمِ قرآن کرو"[1] سات منزلوں کی اصل ہے۔ اسی وجہ سے کئی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہ سات دن میں ایک بار ختمِ قرآن کرتے تھے۔

قرآن پاک کی سات منزلیں درج ذیل ہیں:

پہلی منزل: سورۂ فاتحہ سے سورۂ نساء تک 4 سورتیں۔

دوسری منزل: سورۂ مائدہ سے سورۂ توبہ تک 5 سورتیں۔

تیسری منزل: سورۂ یونس سے سورۂ نَحل تک 7 سورتیں۔

1 ...... مسلم، ص 451، حدیث: 2730۔

چوتھی منزل: سورۂ بنی اسرائیل سے سورۂ فرقان تک 9 سورتیں۔

پانچویں منزل: سورۂ شُعَراء سے سورۂ یٰسٓ تک 11 سورتیں۔

چھٹی منزل: سورۂ وَالصّٰٓفّٰت سے سورۂ حجرٰت تک 13 سورتیں۔

ساتویں منزل: سورۂ قٓ سے سورۂ ناس تک 65 سورتیں۔[1]

صحابۂ کرام علیہمُ الرِّضوان نے قرآن کو اسی طرح تقسیم کیا ہوا تھا اور اسی کے مطابق ختمِ قرآن کرتے تھے۔[2] اس طرح سات دن میں ختمِ قرآن کرنے کو ''ختم الاحزاب'' کہا جاتا ہے۔[3]

منازل کے ابتدائی حروف کا مجموعہ:

منازل کے ابتدائی حروف کا مجموعہ ''فَمِیْ بِشَوْقٍ'' ہے، یہ مجموعہ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہُ عنہ کی طرف منسوب ہے، آپ نے اس کے ہر حرف سے ترتیب وار ہر منزل کی طرف اشارہ فرمایا۔[4] اس کا مطلب ہے: ''یَشْتَاقُ فَمِیْ لِتِلَاوَۃِ الْقُرْاٰنِ'' یعنی میرا منہ قرآن کی تلاوت کا شوق رکھتا ہے۔

(7) خمس، عشر یا جزء کے اعتبار سے تقسیم:

خمس پانچ اور عشر دس آیتوں کے مجموعے کو کہا جاتا ہے، صحابۂ کرام نبیِ پاک صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم سے ایک عشر پڑھتے اور اس میں موجود علوم و معارف حاصل کرتے اس پر عمل کرتے، اس کے بعد دوسرا عشر شروع کرتے تھے۔[5] ہر عشر پر اس کی علامت ''ع'' بھی لکھی جاتی تھی۔[6] اور بعض نے یہ تقسیم پانچ پانچ آیات کے اعتبار سے کی ہوئی تھی اور بعض صحابہ نے اپنی آسانی اور سہولت کے لیے قرآن پاک کے مختلف اجزا بنائے ہوئے تھے۔[7]

---

1 ...... مرقاۃ المفاتیح، 4/ 701، تحت الحدیث: 2201۔ 2 ...... احیاء العلوم، 1/ 367۔

3 ...... مرقاۃ المفاتیح، 4/ 701، تحت الحدیث: 2201۔

4 ...... مرقاۃ المفاتیح، 4/ 701-702، تحت الحدیث: 2201۔ 5 ...... تفسیر طبری، 1/ 60۔

6 ...... مناہل العرفان، ص 287۔ 7 ...... احیاء العلوم، 1/ 367- البیان فی عد آی القرآن، ص 131۔

(8) مقدار اور مضامین کے لحاظ سے تقسیم:

سورتوں کی تعداد اور مضامین کے لحاظ سے ایک تقسیم نبیِ پاک صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے خود بیان فرمائی اور ہر حصے کا مخصوص نام بھی بیان فرمایا۔ یہ کل چار قسمیں ہیں:

1- سبعِ طِوال: سورۂ بقرہ سے سورۂ توبہ تک آٹھ بڑی سورتوں کو "سبعِ طوال" کہا جاتا ہے۔ سورۂ انفال اور سورۂ توبہ کے درمیان "بسم اللہ" نہ ہونے کی وجہ سے انہیں ایک سورت شمار کیا گیا ہے۔[1]

2- مِئِین: سبعِ طوال سے ملی ہوئی وہ سورتیں جن میں کم و بیش سو آیات ہیں،[2] یہ سورۂ یونس سے سورۂ فاطر تک ہیں۔[3]

3- مثانی: مِئِین سے ملی ہوئی وہ سورتیں جو مقدار میں اس سے کم اور مفصل سے زیادہ ہوں،[4] یہ سورۂ احزاب کی ابتدا سے سورۂ قٓ کے شروع تک ہیں۔[5]

4- مُفَصَّل: وہ سورتیں جن میں تسمیہ کے ذریعے بار بار فاصلہ لایا گیا ہے، یہ سورۂ حجرٰت سے سورۂ ناس تک ہیں۔[6]

مُفَصَّل کی اقسام:

پھر اس آخری قسم کی مزید تین اقسام ہیں:

طِوالِ مُفَصَّل: سورۂ حجرٰت سے سورۂ بُرُوج تک "طوالِ مُفَصَّل" کہلاتا ہے۔

---

1 ...... تفسیر طبری، 1/71- فیض القدیر، 1/722، تحت الحدیث: 1171۔

2 ...... البرہان فی علوم القرآن، 1/308۔ 3 ...... الکنز الوفیر حاشیۃ الفوز الکبیر، ص124۔

4 ...... النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر، 1/219۔ 5 ...... معجم علوم القرآن، ص244۔

6 ...... ردالمحتار، 2/318۔

اوساطِ مُفَصَّل: سورۂ بروج سے سورۂ بَیِّنہ تک "اوساطِ مُفَصَّل" کہلاتا ہے۔

قِصارِ مُفَصَّل: سورۂ بَیِّنہ سے آخر تک "قِصارِ مُفَصَّل" کہلاتا ہے۔[1]

قرآنی سورتوں کے مجموعوں کے نام:

قرآن پاک کی سورتوں کے مجموعوں کے مختلف نام ہیں:

حَوَامِیْم: وہ سورتیں جن کی ابتدا میں "حٰمٓ" ہے، یہ کل سات سورتیں ہیں: (1) مؤمن (2) حٰمٓ السجدۃ (3) شوریٰ (4) زُخْرُف (5) دُخَان (6) جَاثِیہ (7) اَحقاف۔[2] انہیں "آلِ حامیم" بھی کہا جاتا ہے۔[3]

طَوَاسِیم / طَوَاسِین: وہ سورتیں جن کی ابتدا "طٰسٓ" یا "طٰسٓمٓ" سے ہوتی ہے انہیں "طواسیم" یا "طواسین" کہا جاتا ہے، یہ تین سورتیں ہیں: (1) شُعَرَاء (2) نَمْل (3) قَصَص۔[4]

مُسَبِّحَات: وہ سورتیں جن کی ابتدا میں سُبْحَانَ، سَبَّحَ، یُسَبِّحُ یا سَبِّحْ ہے، یہ کل سات سورتیں ہیں: (1) بنی اسرائیل (2) حدید (3) حَشْر (4) صَفّ (5) جُمُعہ (6) تَغَابُن (7) اعلیٰ۔[5]

عِتَاقِ اُوَل: یہ پانچ سورتیں ہیں: (1) بنی اسرائیل (2) کہف (3) مریم (4) طٰہٰ (5) انبیاء۔[6]

عِتَاق عتیق کی جمع ہے جس کا معنیٰ ہے "عمدہ چیز" اور اُوَل اُولیٰ کی جمع ہے، عِتَاقِ اُوَل کا معنیٰ ہوا "سب سے پہلی عمدہ سورتیں" چونکہ ان میں تعجب خیز واقعات، مثلاً اصحابِ کہف کا

---

1. ردالمحتار، 2 / 218 تا 319 - فتاویٰ ہندیہ، 1 / 77۔
2. الاتقان فی علوم القرآن، 1 / 203۔
3. عمدۃ القاری، 13 / 584، تحت الحدیث: 5043۔
4. تفسیر قرطبی، 7 / 70، پ 19، الشعراء، تحت الآیۃ: 1 - معجم علوم القرآن، ص 185۔
5. مرقاۃ المفاتیح، 4 / 662، تحت الحدیث: 2151۔
6. بخاری، 3 / 275، حدیث: 4739۔

واقعہ، حضرت مریم رضی اللہ عنہا کا واقعہ اور معجزاتِ انبیاء کا ذکر ہے۔ یا یہ سورتیں سب سے پہلے یاد کی گئیں، اس لیے انہیں "عِتَاقِ اُوَل" کہا گیا ہے۔[1]

قرآن کا نصف:

قرآنِ پاک کا نصف مختلف اعتبارات سے بیان کیا گیا ہے:

حروف کے اعتبار سے: سورۂ کہف کی آیت نمبر 74 میں لفظِ ﴿نُّكْرًا﴾ کے نون پر باعتبارِ حروف نصفِ قرآن ہوتا ہے اور کاف سے نصفِ ثانی شروع ہوتا ہے۔ اور ایک قول کے مطابق سورۂ کہف کی آیت نمبر 19 میں ﴿وَلْيَتَلَطَّفْ﴾ کی فاء پر ہوتا ہے۔

کلمات کے اعتبار سے: سورۂ حج کی آیت نمبر 20 میں ﴿وَالْجُلُوْدُ﴾ پر باعتبارِ کلمات نصفِ قرآن ہوتا ہے اور اگلی آیت سے نصفِ ثانی شروع ہوتا ہے۔

آیات کے اعتبار سے: سورۂ شُعَرَاء کی آیت نمبر 45 میں ﴿يَأْفِكُوْنَ﴾ پر باعتبارِ آیات نصفِ قرآن ہوتا ہے اور اگلی آیت سے نصفِ ثانی شروع ہوتا ہے۔

سورتوں کے اعتبار سے: سورۂ حدید کے آخر تک باعتبارِ سورت نصفِ قرآن ہوتا ہے اور سورۂ مجادلہ سے نصفِ ثانی شروع ہوتا ہے۔[2]

---

1 ...... عمدۃ القاری، 13/104، تحت الحدیث: 4508۔

2 ...... الاتقان فی علوم القرآن، 1/220۔

مشق

سُوال: تقسیمِ قرآن کا معنٰی کیا ہے اور قرآن کی تقسیم کتنے اعتبار سے کی گئی ہے؟

سُوال: قرآن کو سورتوں میں کب تقسیم کیا گیا اور اس کی حکمتیں کیا تھیں؟

سُوال: قرآن کو پاروں میں تقسیم کرنے کی بنیاد کیا ہے اور اس تقسیم کا کیا فائدہ ہے؟

سُوال: قرآن کی رکوع کے اعتبار سے تقسیم کب کی گئی اور اس کا مقصد کیا ہے؟

سُوال: قرآن کے حاشیے میں "ع" سے مراد اور اس کے ارد گرد عدد کا مطلب بیان کیجیے۔

سُوال: ربع کا کیا معنٰی ہے؟ نیز "اَلرُّبُع"، "اَلنِّصْف" اور "اَلثَّلٰثَہ" کی علامات کہاں لگائی جاتی ہیں؟

سُوال: ختم الاحزاب کسے کہا جاتا ہے؟ اس کی بنیاد بیان کیجیے۔

سُوال: منزلوں کا مجموعہ معنٰی کے ساتھ بیان کیجیے نیز ان کی ابتدا و انتہا تحریر کیجیے۔

سُوال: عشر کا معنٰی اور اس کی علامت بیان کیجیے، نیز بتائیے کہ یہ تقسیم کب ہوئی؟

سُوال: مضمون اور سورتوں کی مقدار کے لحاظ سے قرآن کی تقسیم تحریر کیجیے۔

سُوال: مفصل کے معنٰی، اس کی اقسام اور وجہِ تسمیہ تحریر کیجیے۔

سُوال: "حوامیم"، "طواسیم" اور "مُسَبِّحَات" کے نام تحریر کیجیے۔

سُوال: عتاقِ اُوَل بیان کیجیے اور اس کی وجہ تسمیہ بتائیے۔

سُوال: قرآن کا نصف کتنے اعتبار سے کیا گیا ہے؟ وضاحت کیجیے۔

سبق 11

قراءاتِ قرآن

قراءاتِ قرآن کا معنٰی:

قرآنِ مجید کی نظم اور کلمات کی ادائیگی کے لیے چند طریقے رائج ہیں؛ جس طرح قرآنِ مجید حق ہے اسی طرح دنیا بھر میں رائج اس کی یہ قراءتیں بھی حق اور درست ہیں ان میں معنٰی کا کوئی تضاد نہیں ہے۔

قراءاتِ قرآن کا ابتدائی دور:

نزولِ قرآن کے وقت عرب میں مختلف قبائل آباد تھے جو اسلام میں نئے نئے داخل ہو رہے تھے ان نئے مسلمان ہونے والوں کے الفاظ کی ادائیگی، لہجوں اور لغتوں میں بہت فرق تھا۔ اگر تلاوتِ قرآن کے لیے کسی خاص لغت کی پابندی کا حکم ہوتا تو یہ امت کے لیے مشقت کا باعث بن جاتا، کیونکہ اپنے قبیلے کی لغت اور لہجے کو چھوڑنا سخت دشوار ہوتا ہے؛ نتیجتاً قرآن سیکھنے والوں کی تعداد بہت تھوڑی رہ جاتی، لہٰذا اللہ پاک نے سات لغتوں میں قرآن پڑھنے کی رخصت عطا فرمائی اور خود رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے اس کو بیان فرمایا۔[1]

سات لغتوں کی وضاحت:

اکثر علما کے نزدیک سات لغتوں سے مراد عرب کی یہ فصیح و بلیغ لغتیں ہیں: (1) لغتِ قریش (2) لغتِ بنی طے (3) لغتِ ہَوَازِن (4) لغتِ اہلِ یمن (5) لغتِ ثقیف (6) لغت بنی ہُذَیل اور (7) لغتِ بنی تمیم۔[2] یہ بھی ممکن ہے کہ "سات" سے مراد خاص عدد نہ ہو بلکہ

---

1 ...... مسلم، ص318، حدیث: 1906 ماخوذاً- فتاویٰ رضویہ، 26/ 451۔ 2 ...... اشعۃ اللمعات، 1/ 178۔

بیان زیادتی ہو یعنی کئی لغتوں میں قراءت کی اجازت دینا مقصود ہے۔[1]

لغاتِ قرآن میں اختلاف کی نوعیت:

جس طرح اردو زبان کے بعض الفاظ کی ادائیگی و املا وغیرہ میں اہلِ زبان ماہرین کا اختلاف پایا جاتا ہے اسی طرح مختلف قبائلِ عرب کے فصحا کا عربی زبان کے بعض الفاظ میں اختلاف تھا۔ چند قبائل کا اختلاف ملاحظہ کیجیے:

غیرِ اہلِ حجاز: جس مضارع کا ماضی مکسورُ العین ہو اس کی علامتِ مضارع کو کسرہ دیتے مثلاً نَعْبُدُ کو نِعْبُدُ اور نَسْتَعِيْن کو نِسْتَعِيْن پڑھتے، اسی طرح علامت مضارع یاء کے بعد دوسری یاء ہوتی تو اسے بھی مکسور پڑھتے مثلاً يَيْقَظُ کو يِيْقَظُ پڑھتے۔[2]

بنی ہُذَیل: حاء کو عین سے بدل کر پڑھتے مثلاً حتّٰی کو عتّٰی پڑھتے؛ اس طرزِ ادا کو "فَحْفَحَه" کہا جاتا ہے۔[3]

اہلِ مدینہ: "تابوت" کا تلفظ "تابوة" کرتے۔[4]

قبیلۂ ربیعہ و مُضَر: کافِ تانیث کے بعد شین کا اضافہ کر کے بولتے جیسے "رَأَيْتُكِ" کو "رَأَيْتُكِش" کہتے تھے؛ اس طرزِ ادا کو "كَشْكَشَه" کہا جاتا ہے۔

بنی تمیم: کلمات کے شروع میں آنے والے ہمزہ کو عین سے بدل کر پڑھتے مثلاً "أَنَّ" کو "عَنَّ" پڑھتے تھے، "أَسْلَم" کو "عَسْلَم" اور "أُذُن" کو "عُذُن" پڑھتے؛ اس طرزِ ادا کو "عَنْعَنَه" کہا جاتا ہے۔[5]

---

1. مرقاۃ المفاتیح، 1 / 496، تحت الحدیث:238۔
2. فتاویٰ رضویہ، 26 / 451- تدوین قرآن، ص82۔
3. المزہر فی علوم اللغۃ وانواعہا، 1 / 222۔
4. فتاویٰ رضویہ، 26 / 451۔
5. المزہر فی علوم اللغۃ وانواعہا، 1 / 221 تا 222۔

لغات کے اس اختلاف میں یہاں تک وسعت اور رخصت دی گئی تھی کہ جو شخص قرآن کے کسی لفظ کا تلفظ نہ کر سکتا وہ اس لفظ کو اسی کے ہم معنیٰ لفظ سے بدل کر پڑھ لیا کرتا تھا، لیکن لفظ کو دوسرے لفظ سے بدلنے کے لیے صاحبِ قرآن رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی اجازت ضروری ہوتی، مگر پھر یہ رخصت ختم کر دی گئی۔ (1)

لغتِ قریش کی پابندی کا حکم:

جب دیگر قبائل کے لوگ لغتِ قریش کے الفاظ بآسانی ادا کرنے لگے، ان کی زبانیں خوب مشق کے بعد قرآنی الفاظ کی ادائیگی میں رواں ہو گئیں اور یہ ایک لغت کی پابندی پر قادر ہو گئے تو اختلافِ لغت کی وجہ سے دی گئی رخصت ختم کر کے انہیں لغتِ قریش کا پابند کر دیا گیا۔ حضرت جبریلِ امین علیہ السلام نے زمانۂ رسالت کے آخری رمضان میں رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے ساتھ دو مرتبہ دورۂ قرآن کیا اور اسی آخری دورے کی قراءت باقی رکھی گئی، لہٰذا اب کسی کے لیے یہ درست نہیں کہ وہ ایک لفظ کو دوسرے لفظ سے بدل کر پڑھ سکے بلکہ سب کے لیے دورۂ اخیرہ کی پابندی واجب اور ضروری قرار پائی۔ (2)

مختلف قراءتوں کا پسِ منظر:

حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ نے اولین زبانِ نزول لغتِ قریش اور قرآن کے دورۂ اخیرہ کے موافق قرآنِ کریم کے چند نسخے لکھوائے اور ان کو دیگر اسلامی ممالک میں بھیج دیا۔

لغت کے معمولی فرق کے ساتھ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم سے قرآن سیکھا اور صحابہ سے تابعین اور تابعین سے تبعِ تابعین نے سیکھا، اسی طرح ہر زمانے اور ہر دور میں یہ قراءتیں اور کتابت و ادائیگی کی نقل تواتر کے ساتھ ہم تک پہنچیں جو مختلف قراء

---

1 ...... ارشاد الساری، 11 / 309، تحت الحدیث: 4992۔

2 ...... ارشاد الساری، 11 / 309، تحت الحدیث: 4992۔

حضرات کی قراءتوں کی صورت میں موجود ہیں۔اسی لیے تمام متواتر قراءتیں حق ہیں۔[1]

ائمہ کے ساتھ مخصوص قراءتیں:

بعض بزرگوں کو کسی خاص قراءت کے ساتھ غیر معمولی شَغَف رہا وہ اس کی تعلیم و اشاعت میں ایسے مصروف ہوئے کہ وہ قراءت ان سے نقل ہوئی یوں وہ ان کی طرف منسوب ہو کر ان ہی کی قراءت کہلائی جانے لگی؛ان تمام ائمہ قراءات میں سب سے زیادہ شہرت ائمہ سبعہ اور ائمہ عشرہ کو حاصل ہوئی اور ان ہی کی قراءتیں تواتر کے ساتھ منقول ہوئیں۔

ائمہ سبعہ اور ان کے راوی:

علمِ قراءت کے وہ سات امام جن کو دنیا بھر میں شہرت اور درجہ امامت حاصل ہوا؛ ان ائمہ سے بے شمار حضرات نے علمِ قراءت حاصل کیا مگر جس طرح بہت سے قراء حضرات میں سے ان سات ائمہ کو شہرت حاصل ہوئی اسی طرح ان کے بے شمار شاگردوں میں سے صرف چند حضرات کو ہی شہرت ملی؛ان ساتوں اماموں میں سے ہر امام کے دو دو خاص شاگرد ہیں جن کے ذریعے ان ائمہ کی قراءتیں ہم تک پہنچیں۔

ذیل میں ان قراءتوں کو رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے سیکھ کر آگے پہنچانے والے صحابہ اور اِن صحابہ سے نقل کرنے والے سات ائمہ قراءت اور ان کے راویوں کے نام ذکر کیے جارہے ہیں ذہن نشین کرلیجیے:

صحابیِ رسول امیر المؤمنین مولا علی رضی اللہ عنہ		
نمبر	ائمہ قراءت	قراءت کے راوی
1	امام عاصم بن ابو نَجُود کوفی رحمۃُ اللہِ علیہ	امام شُعْبَہ بن عیاش رحمۃُ اللہِ علیہ
		امام حَفْص بن سلیمان رحمۃُ اللہِ علیہ

[1] فتاویٰ رضویہ، 12 / 315۔ تدوین قرآن، ص 174 بتصرف۔

	صحابیِ رسول حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ	
2	امام حمزہ بن حبیب کوفی رحمۃُ اللہِ علیہ	امام خَلّاد بن خالد رحمۃُ اللہِ علیہ
		امام خَلَف بن ہِشام رحمۃُ اللہِ علیہ
3	امام علی بن حمزہ کِسائی رحمۃُ اللہِ علیہ	امام حفص بن عمر و دُوری رحمۃُ اللہِ علیہ
		امام ابو الحارث لیث بن خالد رحمۃُ اللہِ علیہ
	صحابیِ رسول حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ	
4	امام عبد اللہ بن عامر شامی رحمۃُ اللہِ علیہ	امام ہِشام بن عامر دمشقی رحمۃُ اللہِ علیہ
		امام عبد اللہ بن احمد المعروف ابن ذَکوان رحمۃُ اللہِ علیہ
	صحابیِ رسول حضرت اُبَی بن کعب رضی اللہ عنہ	
5	امام عبد اللہ بن کثیر مکی رحمۃُ اللہِ علیہ	امام محمد بن عبد الرحمن قُنْبُل رحمۃُ اللہِ علیہ
		امام احمد بن محمد بَزّی رحمۃُ اللہِ علیہ
	صحابیِ رسول حضرت انس بن مالک	
6	امام ابو عمرو زبان بن علاء بصری رحمۃُ اللہِ علیہ	امام حفص بن عمر و دُوری رحمۃُ اللہِ علیہ
		امام صالح بن زیاد سُوسی رحمۃُ اللہِ علیہ
7	امام نافع عبد الرحمن مدنی رحمۃُ اللہِ علیہ	امام عیسی بن مینا المعروف قالون رحمۃُ اللہِ علیہ
		امام عثمان بن سعید المعروف وَرْش رحمۃُ اللہِ علیہ

ائمۂ عشرہ:

ائمۂ سبعہ کے ساتھ مزید تین ائمہ کی قراءتیں بھی متواتر ہیں ان دس قراءتوں کو "قراءاتِ عشرہ" اور ان کے ائمہ کو "ائمۂ عشرہ" یا "قراء عشرہ" کہتے ہیں۔[1] ان تین ائمہ کی قراءتیں بھی اسی طرح آگے بڑھیں جس طرح ائمۂ سبعہ کی منقول ہوتی آئیں یعنی ان کے بھی دو دو خاص شاگرد ہیں جو ان کی قراءتوں کے راوی ہیں؛ ذیل میں ان ائمہ اور ان کے راویوں کے مبارک نام ذکر کیے جا رہے ہیں ملاحظہ کیجیے:

ائمۂ قراءت	راوی
امام ابو جعفر یزید بن قعقاع مدنی رحمۃُ اللہِ علیہ	امام ابنِ وَرْدان رحمۃُ اللہِ علیہ
	امام ابنِ جماز رحمۃُ اللہِ علیہ
امام ابو یعقوب بن اسحاق حَضْرَمِی کوفی رحمۃُ اللہِ علیہ	امام رُوَیس رحمۃُ اللہِ علیہ
	امام رَوْح رحمۃُ اللہِ علیہ
امام خَلَف بَزَّار کوفی رحمۃُ اللہِ علیہ	امام اسحاق وَرَّاق رحمۃُ اللہِ علیہ
	امام ادریس بن عبد الکریم رحمۃُ اللہِ علیہ

مجمعِ عام میں تلاوت کا حکم:

جس مُلک میں جو قراءَت رائج ہے عوام کے سامنے وہی پڑھی جائے، جیسے برِّ عظیم پاک و ہند وغیرہ میں قِراءَتِ عاصم بروایتِ حَفص رائج ہے کہ یہاں کے مدارس میں اسی قراءت میں قرآن پڑھایا جاتا ہے، مکتبوں سے اسی قراءت میں قرآن شائع ہوتا ہے اور عوام بھی اسی قراءت میں تلاوتِ قرآن پاک کرتی ہے لہٰذا یہاں پر یہی قراءت پڑھی جائے اس کے علاوہ کوئی اور قراءت عوام کے سامنے نہ پڑھی جائے کہ لوگ علم نہ ہونے کی وجہ سے اِنکار کریں گے اور کسی ایک متواتر قراءت کے انکار سے ایمان بھی خطرے میں پڑ سکتا ہے۔[2]

1 ...... تدوین قرآن، ص177 بتصرف۔ 2 ...... مناہل العرفان، ص308- فتاویٰ رضویہ، 12/ 315۔

مشق

سُوال: قراءاتِ قرآن کا معنیٰ بیان کیجیے۔

سُوال: قرآن کی سات لغات کے نام اور ان میں اختلاف کی نوعیت واضح کیجیے؟

سُوال: مختلف لغات میں قرآن پڑھنے کی کیا حکمت تھی؟ یہ اجازت منسوخ کیوں ہوگئی؟

سُوال: قرآن لغتِ قریش پر جمع ہوچکا تھا تو مختلف قراءتیں کیسے وجود میں آئیں؟

سُوال: قراءاتِ قرآن ائمہ کے ساتھ مخصوص کیوں ہوگئیں؟

سُوال: ائمۂ سبعہ، ان کے راویوں اور ان کے استاذ صحابہ کے اسمائے گرامی بصورت نقشہ لکھیے۔

سُوال: ائمۂ عشرہ اور ان کے راویوں کے نام بیان کیجیے۔

سبق 12

مکی سورت کی تعریف:

وہ سورت جو نبی پاک صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے ہجرت کرنے سے پہلے نازل ہوئی ہو۔

مدنی سورت کی تعریف:

وہ سورت جو نبی پاک صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے ہجرت کرنے کے بعد نازل ہوئی ہو۔

وضاحت: جو سورتیں ہجرت سے پہلے نازل ہوئیں وہ مکی ہیں اور جو سورتیں ہجرت کے بعد اگرچہ مکہ یا اس کے گرد و نواح میں نازل ہوئیں وہ مدنی ہیں۔[1] مثلاً سورۂ مائدہ آیت نمبر تین: ﴿اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًاؕ﴾[2] ترجمہ: ”آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔“ مدنی ہے، حالانکہ یہ عَرَفات کے مقام پر حجۃ الوداع میں جمعہ کے دن نازل ہوئی۔[3]

مکی و مدنی سورتوں کی تعداد:

درج ذیل 29 سورتیں مدنی ہیں:

(1) بَقَرہ (2) اٰلِ عمران (3) نساء (4) مائدہ (5) انفال (6) توبہ (7) رَعْد (8) حج (9) نور (10) احزاب (11) محمد (12) فَتْح (13) حجرٰت (14) حدید (15) مُجَادَلہ

❶ ...... الاتقان فی علوم القرآن، 1 / 26 تا 27۔ ❷ ...... پ6، المائدۃ:3۔
❸ ...... البرہان فی علوم القرآن، 1 / 252 - بخاری، 1 / 28، حدیث:45۔

(16)حَشْر	(19)جُمُعہ	(22)طلاق	(25)زَلْزَلَہ	(28)فَلَق
(17)مُمْتَحِنَہ	(20)منافقون	(23)تحریم	(26)قَدْر	(29)ناس
(18)صف	(21)تَغَابُن	(24)قِیامہ	(27)نَصْر	

ان سورتوں کے علاوہ باقی 85 سورتیں مکی ہیں۔[1]

مکمل سورت کو مکی یا مدنی کہنے کی وجہ:

29 سورتوں کو مدنی اور اس کے علاوہ باقی سورتوں کو مکی کہا جاتا ہے، حالانکہ مدنی سورتوں میں کچھ آیات مکی ہوتی ہیں اور مکی سورتوں میں کچھ آیات مدنی ہوتی ہیں! اس کی وجہ یہ ہے کہ سورتوں کو مکی یا مدنی کہنے میں ان کے آغاز کا اعتبار ہوتا ہے؛ اگر سورت کا آغاز مکی ہو تو اسے مکی کہا جائے گا اور اگر آغاز مدنی ہو تو مدنی کہا جائے گا۔[2]

سورتوں کی پہچان کے دو طریقے:

مکی و مدنی سورتوں کی پہچان کے دو طریقے ہیں:

1-سماعی: صحابۂ کرام کی تصریح کے ذریعے پتا چلے۔

2-قیاسی: علامات و خصوصیات کے ذریعے پتا چلے۔[3]

صحابہ کے ذریعہ مکی و مدنی سورتوں کی پہچان:

صحابۂ کرام کے بیان سے آیت کا مکی یا مدنی ہونا معلوم ہو سکتا ہے، کیونکہ قرآنِ پاک ان کے سامنے نازل ہوا؛ یہ حضرات نزولِ قرآن کا مشاہدہ کرتے تھے اور قرآنِ پاک کے نزول کی جگہ، وقتِ نزول اور سببِ نزول سے بخوبی واقف تھے۔ چنانچہ

1 ......زبدۃ الاتقان، ص29۔ 2 ......علوم القرآن الکریم، ص57۔

3 ......البرہان فی علوم القرآن، 1/242۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں! کتابُ اللہ کی کوئی سورت ایسی نہیں جس کے بارے میں مجھے علم نہ ہو کہ وہ کہاں نازل ہوئی، نہ کوئی ایسی آیت ہے جس کے بارے میں مجھے علم نہ ہو کہ وہ کس سلسلے میں نازل ہوئی۔[1] اسی طرح امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اس آیتِ مبارکہ ﴿اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا﴾[2] کے بارے میں فرمایا: ہم اس دن اور اس جگہ کو بھی جانتے ہیں جس میں نبیِ پاک صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی؛ یہ آیت جُمعہ کے دن میدانِ عَرَفات میں نازل ہوئی۔[3]

علامات کے ذریعے مکی و مدنی کی پہچان:

مکی و مدنی سورتوں کی پہچان کے کچھ ضابطے اور علامات ہیں۔ البتہ! یہ علامات عمومی اور اکثری ہیں کچھ مقامات پر ان کا خلاف پایا جانا بھی ممکن ہے۔

مکی سورتوں کی علامات و مضامین:

(1) سورت کی ابتدا میں حروفِ مقطعات ہوں، سوائے بَقَرہ و اٰلِ عمران کے؛ کیونکہ یہ دونوں سورتیں بالاتفاق مدنی ہیں۔

(2) اس سورت میں سابقہ امتوں کے واقعات اور خبریں ہوں۔

(3) حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کا واقعہ ہو؛ سوائے بَقَرہ کے۔

(4) جس میں لفظ "کَلَّا" ہو۔[4] (5) جس میں آیتِ سجدہ ہو۔[5]

---

1. بخاری، 3 / 403، حدیث: 5002۔ 2. پ6، المائدۃ: 3۔ 3. بخاری، 1 / 28، حدیث: 45۔
4. جمال القراء وکمال الاقراء، ص 591 - الایضاح لناسخ القرآن ومنسوخہ، ص 114 تا 115۔
5. الکامل فی القراءات العشر، ص 116۔

(6) شرک اور بت پرستی کی بہت زیادہ مَذمّت کی گئی ہو اور مشرکین کے شبہات کا عقلی و حسی دلائل اور فصیح و بلیغ مثالوں سے رد کیا گیا ہو۔

(7) اسلام کے بنیادی عقائد مثلاً توحید، نبوت و رِسالت، ملائکہ پر ایمان، عقیدۂ آخرت، سزا و جزا وغیرہ کو دلائل کے ساتھ بیان کیا گیا ہو۔

(8) مشرکین کی بری عادتوں کا ذکر کیا گیا ہو، مثلاً قتل و غارت گری، لوٹ مار، بیٹیوں سے نفرت اور انہیں زندہ در گور کرنا وغیرہ۔

(9) بنیادی اخلاقیات اور معاشرتی حقوق ایسے خوبصورت انداز میں بیان کیے گئے ہوں جس سے کفر و فسق، جہالت، غرور و تکبر، باطنی گندگی اور فحش کلامی وغیرہ امور سے نفرت ہو جائے اور ایمان، علم، اخلاص، والدین کے ساتھ حسنِ سلوک، پڑوسیوں کی عزت، دوسروں کا احترام، صلۂ رحمی، نیکی اور دل و زبان کی پاکیزگی وغیرہ سے محبت ہو جائے۔

(10) مختصر آیات، فصیح و بلیغ ہم وزن کلمات پر مشتمل تراکیب، حقائقِ معنویہ سے بھرپور تشبیہات اور بہترین مثالوں کے ذریعے ایسی منظر کشی کی گئی ہو کہ سننے والا اس بات کو اپنی نظروں کے سامنے ہوتا محسوس کرے۔[1]

مدنی سورتوں کی علامات و مضامین:

(1) حدود و فرائض کا بیان ہو۔ (2) منافقین کا ذکر ہو۔[2]

(3) جہاد کی اجازت اور جہاد کے احکام کا بیان ہو۔[3]

(4) عبادات و معاملات سے متعلق تفصیلی احکام اور جزئیات مذکور ہوں، مثلاً نماز، روزہ، حج،

---

1 ...... علوم القرآن الکریم، ص60 تا67 ملتقطاً - مناہل العرفان، ص147 تا149۔

2 ...... الایضاح لناسخ القرآن و منسوخہ، ص114 تا115۔ 3 ...... مناہل العرفان، ص144۔

زکوٰۃ، نکاح، طلاق، رضاعت، خرید و فروخت وغیرہ۔

(5) حکومتی و معاشرتی قوانین مذکور ہوں، مثلاً حدود و قصاص اور میراث وغیرہ۔

(6) اہلِ کتاب کے باطل نظریات کا رد کرکے انہیں دعوتِ اسلام دی گئی ہو اور اہلِ حق کے ساتھ ان کے رَوَیّوں اور کتبِ الٰہیہ میں ان کی تحریفات کا ذکر کیا گیا ہو۔

(7) اہلِ مدینہ چونکہ اہلِ مکہ کی طرح بہت زیادہ ذہین و فطین اور فصیح و بلیغ نہیں تھے اس لیے ان سورتوں میں اندازِ بیان سادہ ہوتا ہے اور احکام کو وضاحت کے ساتھ بڑی بڑی آیات میں بیان کیا جاتا ہے۔[1]

مکی و مدنی سورتوں کی پہچان کے تین فوائد:

1- ناسخ و منسوخ کا علم: مکی و مدنی سورت کی پہچان کے ذریعے ناسخ و منسوخ کے درمیان امتیاز ہوتا ہے؛ کیونکہ جب ایک مضمون کی دو آیتوں کے درمیان اختلاف ہو اور معلوم ہو جائے کہ ان میں سے ایک مکی اور دوسری مدنی ہے تو لازماً مدنی ناسخ اور مکی منسوخ ہو گی۔[2]

2- تفسیرِ قرآن کے لیے مفید: فہمِ قرآن اور تفسیرِ قرآن کا وقتِ نزول کے ساتھ گہرا تعلق ہوتا ہے؛ جس شخص کو یہ معلوم نہ ہو اسے تفسیرِ قرآن کی اجازت نہیں۔[3]

3- تاریخِ تشریع کی معرفت: مکی و مدنی سورت کی پہچان کے ذریعے دینِ اسلام کے تشریعی مراحل اور اللہ پاک کے حکیمانہ انداز کا علم ہوتا ہے کہ اس نے شروع شروع میں اصولی باتیں بیان فرمائیں پھر فروعی مسائل بیان کیے یعنی پہلے ذہنوں میں دینِ اسلام کی حقانیت کو پختہ فرمایا پھر احکام بیان فرمائے جس کے نتیجے میں لوگوں نے دعوتِ دین کو قبول بھی کیا اور

---

1 ...... علوم القرآن الکریم، ص65 تا68، ملتقطاً - مناہل العرفان، ص149۔

2 ...... الاتقان فی علوم القرآن، 1 / 25۔ 3 ...... البرہان فی علوم القرآن، 2 / 34۔

دینی احکام پر عمل پیرا بھی ہوئے۔[1]

مشق

سُوال: مکہ و مدینہ کے اطراف میں نازل شدہ آیات کو کیا کہا جاتا ہے؟

سُوال: مکی و مدنی سورتوں کی تعداد بیان کیجیے اور بتائیے کسی سورت کو مکی یا مدنی کس اعتبار سے کہا جاتا ہے؟

سُوال: مکی و مدنی سورتوں کی پانچ علامات و مضامین تحریر کیجیے۔

سُوال: مکی و مدنی سورتوں کی پہچان کا کیا فائدہ ہے؟

---

[1] علوم القرآن الکریم، ص58 - من روائع القرآن، ص107۔

سبق 13

مُحکم ومُتشابہ

مُحکم کا معنیٰ:

قرآنِ مجید کی بعض آیات محکم ہیں یعنی ان کا معنیٰ و مفہوم بالکل واضح ہے اور ہم ان کے تمام پہلوؤں کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔[1] ان ہی آیات میں عقائد و اعمال، احکام و فرائض، اِنذار و تبشیر اور قصص واَمثال وغیرہ بیان کی جاتی ہیں۔

آیاتِ محکمات کا حکم:

قرآنِ پاک کا اکثر حصہ آیاتِ محکمات پر مشتمل ہے جو ہماری زندگی کے بنیادی مسائل سے متعلق ہے لہٰذا ہم اس میں غور و فکر کرسکتے ہیں اور منطق و اِستدلال کی تمام کسوٹیوں کو بروئے کار لاکر اطمینانِ قلب کی نعمت پاسکتے ہیں۔

مُتشابہ کا معنیٰ:

قرآنِ مجید کی بعض آیات مُتشابہ ہیں یعنی اُن کے معنٰی میں اشکال ہے؛ یا تو ظاہری الفاظ سے کچھ سمجھ ہی نہیں آتا جیسے حروف مقطعات یا جو سمجھ آتا ہے وہ مراد لینا اسلام کے خلاف ہوتا ہے، لہٰذا ان آیات کا حقیقی معنٰی اللہ پاک اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے سِوا کوئی نہیں جانتا یا وہ جنہیں اللہ اور اس کے رسول بتائیں۔[2]

آیات مُتشابہات کا حکم:

قرآن کی بعض مکمل آیات یا آیات کے کچھ حصے مُتشابہ ہیں اگرچہ وہ عقل واستدلال کی نہایت پختہ بنیادوں پر مشتمل ہیں، ان کی اصل محکم آیات ہی ہیں اس لیے ان پر ایمان

---

[1] فتاویٰ رضویہ، 29/ 122 ماخوذاً۔ [2] فتاویٰ رضویہ، 29/ 122 ماخوذاً۔

لانے میں ذرا بھی الجھن نہیں ہوتی لیکن چونکہ ان کا تعلق اس عالَمِ محسوسات کی زندگی سے نہیں ہے تو وہ ہم جیسے کمزور انسانوں کے دائرۂ عقل سے باہر ہوتی ہیں۔ ہمارے لیے بس اتنا ضروری ہے کہ ہم بغیر کسی تاویل میں پڑے ان پر ایمان لائیں کیونکہ یہ ہمارے رب کی طرف سے اتاری گئی ہیں۔

آیاتِ مُتشابہات کی قسمیں:

تمام آیاتِ مُتشابہات میں غور و فکر منع نہیں بلکہ ان آیات میں غور و فکر منع ہے جن کا معنٰی سرے سے سمجھ ہی نہیں آسکتا! اس لحاظ سے آیاتِ مُتشابہات کی دو قسمیں ہیں:

(1) جن کا سمجھنا ممکن ہے:

وہ آیات مُتشابہات جن کو مُحکم آیات کی روشنی میں سمجھنا ممکن ہے لیکن ان کے مرادی معنٰی کو معین نہیں کیا جاسکتا کہ ان سے اللہ پاک کی مراد وہی ہے جو غور و فکر کرنے والے نے سمجھی! لہٰذا جب معنٰی کی تعیین ممکن نہیں لیکن غور و فکر ممکن ہے تو اس میں غور و فکر کرنے یا نہ کرنے کے معاملہ میں دو مسلک ہیں:

1- مسلکِ تفویض و تسلیم: جو معنٰی ظاہری آیت سے سمجھ آرہا ہے اس کے بارے میں یقین ہے کہ یہ معنٰی ہرگز مقصود نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ اصلِ اسلام ہی کے خلاف ہے تو سمجھے جانے والے معنٰی میں تاویل کی ضرورت ہوگی، حالانکہ یہ بات بھی معین ہے کہ جو مطلب تاویل کے ذریعے حاصل ہوگا اس کے بارے میں بھی یقین سے نہیں کہا جاسکے گا کہ یہی وہ مطلب ہے جو اللہ پاک کی مراد ہے تو اس میں غور و فکر سے کیا حاصل ہوگا؟ اسی لیے بہتر ہے کہ اس کا عِلم اللہ پاک پر چھوڑ دیا جائے کہ ہمارے رب کی جو بھی مراد ہے ہم اس پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ جمہور ائمۂ سلف کا مسلک ہے، یہی مناسب ہے اور اسی میں سلامتی ہے۔

2- مسلکِ تاویل: جب اللہ پاک نے مُحکم اور مُتشابہ دو قسمیں فرماکر محکمات کو ﴿هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ﴾[1] ترجمہ: ”وہ کتاب کی اصل ہیں۔“ فرمایا؛ ظاہر ہے ہر فرع اپنی اصل کی طرف پلٹتی ہے تو آیۂ کریمہ نے تاویلِ متشابہات کا راستہ خود بتادیا اور ان کا درست طریقہ واضح کردیا کہ آیاتِ متشابہات میں وہ درست اور پاکیزہ اِحتمالات پیدا کرو جن سے یہ اپنی اصل یعنی محکمات کے مطابق آجائیں۔ اگرچہ اپنے نکالے ہوئے معنیٰ پر یقین نہیں کیا جاسکتا کہ اللہ پاک کی یہی مراد ہوگی؛ مگر جب معنیٰ میں کسی قسم کی اسلام مخالف بات نہیں اور وہ آیاتِ محکمات کی مخالفت بھی نہیں کررہا نیز مُحاوَراتِ عرب کے لحاظ سے بھی درست ہے تو ایسے معنیٰ اِحتمالی طور پر بیان کرنے میں حرج نہیں۔ یہ مسلک کثیر علمائے کرام کا ہے۔[2]

آیاتِ مُتشابہات:

ذیل میں چند آیاتِ متشابہات ذکر کی جارہی ہیں، ملاحظہ کیجیے:

(1) ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾[3]

ترجمہ: وہ بڑی مہر (رحمت) والا اس نے عرش پر استواء فرمایا جیسا اس کی شان کے لائق ہے۔

(2) ﴿كُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ﴾[4]

ترجمہ: ہر چیز فانی ہے سوا اُس کی ذات کے۔

(3) ﴿یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ﴾[5]

ترجمہ: ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

(4) ﴿وَّ یَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ﴾[6]

ترجمہ: اور باقی ہے تمہارے رب کی ذات۔

(5) ﴿وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِیّٰتٌۢ بِیَمِیْنِهٖ﴾[7]

ترجمہ: اور اس کی قدرت سے سب آسمان لپیٹ دیئے جائیں گے۔

---

1 ...... پ3، اٰلِ عمران:7۔ 2 ...... فتاویٰ رضویہ، 29/122 تا 124، ملتقطاً۔ 3 ...... پ16، طٰہٰ:5۔
4 ...... پ20، القصص:88۔ 5 ...... پ26، الفتح:10۔ 6 ...... پ27، الرحمٰن:27۔ 7 ...... پ24، الزمر:67۔

(2) جن کا سمجھنا ممکن نہیں:

وہ آیاتِ مُتشابہات جن کو کسی طرح سے سمجھنا ممکن نہیں؛ نہ ان کے لفظی معنٰی کا علم ہو سکتا ہے نہ ہی ان کی مراد جانی جاسکتی ہے۔ یہ بعض سورتوں کے شروع میں آنے والے حروفِ مقطعات ہیں جن کے راز اللہ اور اس کے رسول کے سوا کوئی نہیں جانتا۔[1]

مشق

سُوال: مُحکم ومُتشابہ کا معنٰی بیان کیجیے۔

سُوال: آیاتِ محکمات ومتشابہات میں غور وفکر کرنے کا کیا حکم ہے؟ اور کیوں ہے؟

سُوال: آیاتِ مُتشابہات کے سمجھ آنے اور سمجھ نہ آنے کا کیا مطلب ہے؟

سُوال: آیاتِ مُتشابہات میں غور وفکر کے حوالے سے مسالک کا خلاصہ لکھیے۔

سُوال: سمجھ آنے والی آیاتِ مُتشابہات میں سے کوئی ایک آیت سبق کے علاوہ تلاش کیجیے۔

سُوال: تمام حروفِ مقطعات کو اپنی کاپی پر خوش خط لکھیے۔

---

[1] فتاوٰی رضویہ، 29/122 ماخوذاً۔

سبق 14

ناسخ و منسوخ

نسخ کا معنٰی:

کسی حکمِ شرعی کی مدت پوری ہونے کے بعد دلیلِ شرعی کے ذریعے اس کو اٹھا دینا "نسخ" کہلاتا ہے۔[1] جس حکم کو اٹھایا جائے اسے "منسوخ" کہتے ہیں اور جس دلیلِ شرعی کے ذریعے حکم اٹھایا جائے اسے "ناسخ" کہتے ہیں۔

ناسخ کی چار قسمیں:

جس دلیلِ شرعی کے ذریعے کسی حکمِ شرعی کو اٹھایا جائے اس کی چار قسمیں ہیں:

1- قرآن سے قرآن کا نسخ: قرآنِ پاک ہی میں موجود کسی حکم کو قرآنِ پاک کی دوسری آیت کے ذریعے منسوخ کر دیا جاتا ہے،[2] مثلاً شوہر کے انتقال کے بعد عورت کے لیے پہلے ایک سال عدت کرنے کا حکم ہوا جس کا ذکر سورۂ بَقَرہ آیت نمبر 240 میں موجود ہے، پھر یہ حکم سورۂ بَقَرہ کی آیت نمبر 234 کے ذریعے منسوخ کر دیا گیا اور چار ماہ دس دن عدت کا حکم ہوا۔[3]

2- قرآن سے حدیث کا نسخ: حدیثِ پاک میں بیان کیے گئے کسی حکمِ شرعی کو قرآنِ پاک کے ذریعے منسوخ کر دیا جاتا ہے،[4] مثلاً بیتُ الْمَقْدِس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم حدیثِ پاک کے ذریعے دیا گیا جس پر کم و بیش 17 ماہ عمل ہوا، پھر یہ حکم سورۂ بَقَرہ کی آیت نمبر 144 سے منسوخ ہو گیا۔[5]

---

1 ...... کشف الاسرار، 3/234- المعتمد المستند، ص 134۔ 2 ...... نواسخ القرآن، 97۔

3 ...... تفسیر خازن، 1/182، پ 2، البقرۃ، تحت الآیۃ: 240۔

4 ...... احکام القرآن للجصاص، 1/104، پ 2، البقرۃ، تحت الآیۃ: 144۔

5 ...... تفسیر خازن، 1/99، پ 2، البقرۃ، تحت الآیۃ: 144۔

3-حدیث سے حدیث کا نسخ: حدیثِ پاک میں بیان کیا گیا کوئی مسئلۂ شرعی دوسری حدیث کے ذریعے منسوخ کر دیا جاتا ہے،[1] مثلاً پہلے قبروں کی زیارت سے منع کیا گیا تھا لیکن پھر اس ممانعت کو منسوخ کر کے اس کی اجازت دے دی گئی۔[2]

4-حدیث سے قرآن کا نسخ: قرآنِ پاک میں حکمِ شرعی بیان کیا جاتا ہے لیکن حدیثِ مُتواتِر کے ذریعے وہ حکم منسوخ ہو جاتا ہے،[3] مثلاً قریب المرگ شخص پر واجب تھا کہ اگر اس کے پاس مال ہو تو اپنے والدین اور رشتہ داروں کے لیے وصیت کرے جس کا ذکر سورۂ بَقَرہ آیت نمبر 180 میں موجود ہے، پھر یہ حکم لَاوَصِیَّةَلِوَارِثٍ یعنی وارث کے لیے وصیت نہیں۔[4] والی حدیث سے منسوخ کر دیا گیا۔[5]

منسوخ کی تین قسمیں:

دلیلِ شرعی کے ذریعے جو آیتِ قرآنیہ منسوخ ہو گی اس کی تین قسمیں ہیں:

1-تلاوت منسوخ حکم باقی: جو آیتِ مبارکہ منسوخ ہو گی اس کی تلاوت منسوخ ہو جائے گی اور حکم باقی رکھا جائے گا،[6] مثلاً آیتِ رجم جس میں شادی شدہ مرد و عورت کو رَجم کرنے کا حکم دیا گیا تھا لیکن بعد میں وہ آیت منسوخ ہو گئی اور اس کا حکم باقی ہے۔[7]

2-تلاوت باقی حکم منسوخ: جو آیت منسوخ ہو گی اس کی تلاوت باقی رکھی جائے گی اور حکم اٹھالیا جائے گا،[8] مثلاً آیتِ نجویٰ یعنی سورۂ مُجَادَلہ کی آیت نمبر 12 جس میں رسولُ اللہ

---

1 نواسخ القرآن، 97۔ 2 مسلم، ص 377، حدیث: 2260۔
3 المحصول فی علم الاصول، 1/456۔ 4 ابو داود، 3/156، حدیث: 2870۔
5 تفسیرات احمدیہ، ص 54۔ 6 البرہان فی علوم القرآن، 2/41۔
7 المستدرک للحاکم، 5/514، حدیث: 8132- الاتقان فی علوم القرآن، 2/718۔
8 البرہان فی علوم القرآن، 2/45۔

صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم سے سرگوشی میں بات کرنے سے پہلے صدقہ دینے کا حکم تھا؛ اس پر صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عمل کیا، پھر یہ آیت باقی رہی اور حکم منسوخ ہو گیا۔[1]

3- تلاوت اور حکم دونوں منسوخ: جو آیتِ مبارکہ منسوخ ہو گی اس کی تلاوت اور اس میں بیان کیا گیا حکم دونوں ہی منسوخ ہو جائیں گے،[2] مثلاً نامحرم بچے سے حرمتِ رضاعت کے لیے ضروری تھا کہ عورت اسے دس بار دودھ پلائے پھر حکم ہوا کہ پانچ بار دودھ پلانے سے رضاعت ثابت ہو گی، لیکن یہ حکم جس آیت میں تھا وہ آیت اور حکم دونوں منسوخ ہو گئے پھر سورۂ نساء کی آیت نمبر 23 نازل ہوئی جس میں فقط دودھ پلانے سے حرمتِ رضاعت ثابت ہونے کا ذکر ہے یعنی کسی نے بچے کو مدت رضاعت کے اندر اندر ایک گھونٹ بھی دودھ پلا دیا تو حرمت ثابت ہو جائے گی،[3] اس دوسری آیت کی تلاوت اور حکم دونوں باقی ہیں۔[4]

تخصیصِ حکم کے لحاظ سے نسخ کی قسمیں:

قرآنِ پاک میں حکم تمام مسلمانوں کے لیے ہوتا ہے، لیکن اس میں سے بعض افراد مخصوص ہو جاتے ہیں یعنی وہ حکم ان کے حق میں مخصوص صورت کے تحت جاری نہیں ہوتا؛ اس لحاظ سے نسخ کی دو قسمیں ہیں:

1- نسخِ کلی: وہ آیات جن میں تمام افراد کے حق میں حکم منسوخ کر دیا جاتا ہے، مثلاً تمام آیاتِ منسوخہ وغیرہ۔

2- نسخِ جزئی: وہ آیات جو عام حکم کو بعض افراد کے حق میں مخصوص صورت کے تحت منسوخ کر دیں، مثلاً پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے والے کے پاس چار گواہ نہ ہوں تو اس پر حدِّ قذف لگائی جائے گی لیکن اس حکم سے وہ شوہر خارج ہے جو اپنی بیوی پر تہمت

---

1 ...... تفسیر النسفی، ص 1219، پ 28، المجادلۃ، تحت الآیۃ: 12۔ 2 ...... البرہان فی علوم القرآن، 2/46۔
3 ...... المبسوط للسرخسی، الجزء الخامس، 3/126۔ 4 ...... الاتقان فی علوم القرآن، 2/705 ماخوذاً۔

لگائے اور اس کے پاس گواہ نہ ہوں تو حد جاری ہونے کے بجائے اس پر لِعان کا حکم ہو گا جس کا ذکر سورۂ نور کی آیت نمبر 4 تا 10 میں موجود ہے۔[1]

کیفیتِ نسخ:

قرآنِ پاک میں جس حکمِ شرعی کو منسوخ کیا جاتا ہے کبھی اس کی صراحت کی جاتی ہے اور کبھی اس کی صراحت کیے بغیر کوئی دوسرا حکم دے دیا جاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے متعلق فلاں حکمِ شرعی منسوخ ہوچکا ہے؛ اس لحاظ سے نسخ کی دو قسمیں ہیں:

1- نسخِ صریح: جس حکمِ شرعی کو منسوخ کیا جارہا ہے اگر اس کی صراحت ہو تو اس کو نسخِ صریح کہا جائے گا، مثلاً پہلے مسلمانوں پر فرض کیا گیا کہ ایک مسلمان 10 کافروں کے مقابلے پر ہو تو ڈٹ کر سامنا کرے میدان چھوڑنے کی اجازت نہیں یعنی ایک مسلمان پر 10 گنا کافروں کا مقابلہ فرض تھا لیکن پھر اس فرض میں آسانی کرکے اسے دو گنا کر دیا گیا یعنی اب ایک مسلمان دو کافروں کے مقابلے میں ہو تو میدان چھوڑنے کی اجازت نہیں، اس کا ذکر سورۂ انعام آیت نمبر 65 اور 66 میں ہے۔

2- نسخِ ضمنی: جس حکمِ شرعی کو منسوخ کیا جارہا ہو اگر ناسخ کے ساتھ اس کی صراحت نہ ہو تو اس کو نسخِ ضمنی کہا جائے گا، اکثر نسخ اسی نوعیت کا ہوتا ہے کہ اس میں ناسخ کے ساتھ منسوخ کی صراحت نہیں ہوتی۔

دَرَجاتِ نسخ:

قرآنِ پاک میں نسخ کے تین دَرَجات ہیں:

---

[1] اس کو اصطلاحی نسخ نہیں کہا جاتا بلکہ یہ تخصیص و استثنا کی ایک صورت ہے جو حکم کے رک جانے میں نسخ کے مشابہ ہوتی ہے۔

پہلا دَرَجہ: نرم حکم کو منسوخ کرکے سخت حکم دے دیا جاتا ہے، مثلاً ابتدائے اسلام میں زنا کی سزا موت تک گھر میں قید رکھنا تھا یہ ایک قسم کی نرم سزا ہے کہ بغیر کسی ظاہری تکلیف کے قید رکھنے کا حکم تھا، لیکن پھر یہ سزا منسوخ کرکے حدِ زنا کا حکم دے دیا گیا؛ ظاہر ہے حد میں سخت تکلیف اور اذیت ہے۔

دوسرا دَرَجہ: سخت حکم کو منسوخ کرکے نرم حکم دے دیا جاتا ہے، مثلاً پہلے بیوہ کی عدت سال بھر تھی لیکن پھر اس حکم کو منسوخ کرکے عدت چار ماہ دس دن کر دی گئی۔

تیسرا دَرَجہ: عمل کے لحاظ سے ناسخ اور منسوخ ایک ہی درجے کے ہوں، مثلاً پہلے بیتُ المُقدِس کی طرف رخ کرکے نماز پڑھنے کا حکم تھا، پھر اس کو منسوخ کرکے بیت اللہ کی طرف رخ کرکے نماز پڑھنے کا حکم آگیا۔(1)

نسخ سے متعلق اہم نکات:

قواعدِ نسخ کی باریکیوں کے بجائے صرف چند نِکات پیش کیے جارہے ہیں جن کا یاد رکھنا طلبہ کے لیے مفید ہوگا:

- عقائد، اصولِ عبادات اور اخلاقی تعلیمات میں نسخ نہیں ہوتا۔(2)
- نسخ ہمیشہ احکامِ شرع میں واقع ہوتا ہے جس کے لیے امر و نہی کے صیغے آتے ہیں۔(3)
- اگر جملہ خبریہ پر مشتمل کسی آیت کا نسخ ہوگا تو ضروری ہے کہ وہ جملہ معناً اِنشائیہ ہو۔(4)
- خبروں کا نسخ نہیں ہوسکتا کہ اس سے پہلی خبر کا جھوٹا ہونا لازم آتا ہے اور اللہ جھوٹ سے پاک ہے۔(5)

---

(1) تفسیر کبیر، 1/641، پ2، البقرۃ، تحت الآیۃ:106۔

(2) غمز عیون البصائر، 2/75 ماخوذاً - مناہل العرفان، ص485۔ (3) اصول السرخسی، 2/60۔

(4) نواسخ القرآن، ص93۔ (5) نواسخ القرآن، ص93۔

❁ قرآن میں جتنی جگہ کفار کے ساتھ نرمی کا حکم ہے وہ آیتِ سیف سے منسوخ ہے۔[1]

❁ نسخ کے لیے حضور صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم سے مضبوط ثبوت یا صریح تاریخ پر ہی اعتبار کیا جائے گا، کسی مفسر بلکہ مجتہد کے اِجتہاد سے بھی کسی آیت کا نسخ قبول نہیں کیا جائے گا۔[2]

❁❁❁❁

مشق

سُوال: نسخ کے معنیٰ بیان کیجیے اور بتائیے نسخ کی کتنے اعتبارات سے تقسیم کی گئی ہے؟

سُوال: ناسخ کی اقسام بیان کیجیے اور بتائیے کون سی قسم اصولِ تفسیر کا حصہ نہیں؟

سُوال: دَرَجاتِ نسخ میں سے کسی ایک کی مثال سوچ بچار کے بعد بیان کیجیے۔

سُوال: نسِخ ضمنی نسخ کی کس تقسیم سے تعلق رکھتا ہے؟ اس کی کوئی ایک مثال بیان کیجیے۔

سُوال: مثالوں میں بیان کردہ آیات ان کی ابحاث کے ساتھ اپنی کاپی پر خوش خط تحریر کیجیے۔

---

1 ...... الاتقان فی علوم القرآن، 2/714۔

2 ...... الاتقان فی علوم القرآن، 2/717۔

سبق 15

اعجازِ قرآن کا معنیٰ:

قرآنِ پاک اپنے الفاظ و معانی، حسنِ ترتیب، سرعتِ تاثیر، فصاحت و بلاغت، سابقہ و آیندہ ہونے والے واقعات کی خبریں دینے اور زبردست راہ نما اصولوں پر مشتمل ہونے کی وجہ سے اس قدر کامل اور درست ہے کہ مخلوق میں سے کوئی بھی اس کے جیسا کلام نہیں لاسکتا، نہ اس میں کسی قسم کی تبدیلی کرنے میں کامیاب ہو سکتا ہے۔[1]

اعجازِ قرآن کی خصوصیات:

قرآن صرف معجزہ ہی نہیں بلکہ اعجاز کی ایسی خصوصیات پر مشتمل بھی ہے جو اس کو دیگر معجزات سے ممتاز کر دیتی ہیں، ذیل میں ایسی تین خصوصیات ملاحظہ کیجیے:

1-اشرف المعجزات: انبیائے کرام کو دیئے جانے والے تمام معجزات میں سب سے عظیم معجزہ قرآن پاک ہے کیونکہ یہ معجزہ بھی ہے، وحی بھی اور کلامِ الٰہی بھی؛ جبکہ دیگر معجزات وحی کی تصدیق کے لیے پیش کیے جاتے ہیں نیز قرآن اپنی صداقت پر خود معجزہ ہے الگ سے معجزے کا محتاج نہیں۔

2-باقی رہنے والا معجزہ: معجزات کے باب میں یہ بات ممکن ہے کہ ایک چیز مخصوص زمانے تک صفت اعجاز سے متصف رہے اور بعد میں نہ ہو یا ایک شخص کے ساتھ معجز ہو اور دوسرے کے ساتھ نہ ہو، جیسے تورات و انجیل اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا وغیرہ[3]

---

1 ...... من روائع القرآن، ص149 ماخوذاً۔

2 ...... تمہید ابو شکور سالمی، ص73۔

لیکن قرآنِ پاک ایسا معجزہ ہے جو ہمیشہ باقی رہے گا اس کا اعجاز کبھی ختم نہیں ہو گا اور دنیا ہمیشہ اس کا مُشاہَدہ کرتی رہے گی۔[1]

3-موافقِ عقل معجزہ: دیگر معجزات خلافِ اسباب امور پر مشتمل ہوتے ہیں اور اسی مخالفت کی بنا پر انبیا کی سچائی کا یقین کیا جاتا ہے لیکن اعجازِ قرآن کا یقین مخالفت کی وجہ سے نہیں کیا جاتا بلکہ انسان اپنی عقل و فہم کے مطابق اس معجزے کا اعتراف کرتا ہے جیسے جیسے وہ عالَمِ اسباب کے نظام کو سمجھتا جاتا ہے ویسے ویسے قرآن کے اعجاز پر اس کا یقین بڑھتا چلا جاتا ہے؛ یہی وجہ ہے کہ دنیا بھر کے غیر مسلم مفکرین کے سامنے جب علم و دانش کے دروازے کھلتے ہیں تو مُنصِف مزاج قرآن کے اعجاز کے سامنے سر جھکا دیتے ہیں۔[2]

اعجازِ قرآن کی وجوہات:

قرآن کے بے مثل ہونے اور لوگوں کے اس کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہونے کی بہت سی وُجوہات ہیں ان میں سے پانچ بنیادی وُجوہات بیان کی جارہی ہیں:

(1) اعجازِ بیانی:

قرآنِ پاک کی ایک ایک آیت فصاحت و بلاغت کا سرچشمہ ہے، اس کا ایک ایک کلمہ معانی کا سمندر ہے، ایک ایک حرف اپنی جگہ چمکتا ہوا نگینہ ہے اور اس کا اُسلوبِ بیان ایسا دل نشین ہے کہ سننے والا اش اش کر اٹھتا ہے؛ اعجازِ بیانی کی وضاحت کے لیے تین جہتیں ملاحظہ کیجیے:

1-کم الفاظ زیادہ معانی: قرآنِ پاک کم سے کم الفاظ میں زبردست اور شاندار مفہوم پیش کرتا ہے، مثلاً اہلِ عرب کے یہاں فصیح و بلیغ جملوں میں سے ایک جملہ ہے "اَلْقَتْلُ اَنْفٰی

---

1. الخصائص الکبریٰ، 1/188۔
2. علوم القرآن الکریم، ص195-196۔

لِلْقَتْلِ یعنی قتل قتل کو روکنے والا ہے "لیکن قرآنِ پاک میں اسی مفہوم کو یوں ادا کیا گیا: ﴿ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ ﴾ [1] ترجمہ: "اور خون کا بدلہ لینے میں تمہاری زندگی ہے۔" قرآن کا پیش کردہ جملہ کلمات کی تعداد، الفاظ کی تکرار، حسنِ عبارت اور خوبصورت مفہوم میں عرب کے فصیح و بلیغ جملے سے بہت اعلیٰ ہے۔ [2]

2- معنیٰ کی باریکی کا لحاظ: ملتی جلتی مختلف چیزوں کے درمیان پوشیدہ باریک فرق کا لحاظ کیا جاتا ہے، مثلاً "جِسْم" اور "جَسَد" دونوں ہی بدن کے لیے استعمال ہوتے ہیں لیکن "جِسْم" جاندار کے لیے اور "جَسَد" بے جان بدن کے لیے کہا جاتا ہے، قرآنِ پاک میں اس باریک فرق کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اسی طرح "نُکْر" اور "مُنْکَر"، "رِیْح" اور "رِیاح" وغیرہ کئی الفاظ میں معمولی فرق کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

3- اسماء الحسنیٰ اور مضامینِ آیات: بہت سی آیات اور سورتوں کے اختتام پر اللہ پاک کے صفاتی نام مذکور ہوتے ہیں ان اسما اور آیات کے مضامین کے درمیان گہری مُنَاسَبَت پائی جاتی ہے اگر وہاں اللہ پاک ہی کا کوئی دوسرا صفاتی نام رکھا جائے تو وہ خوبصورتی پیدا نہیں ہوتی جو کلامِ معجز سے پیدا ہو رہی ہوتی ہے، یہ مضمون کے ختم ہونے کا عمدہ انداز ہے، مثلاً

﴿ وَ السَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْۤا اَیْدِیَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِؕ وَ اللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ(۳۸) فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَ اَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ یَتُوْبُ عَلَیْهِؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ(۳۹) ﴾ [3]

ترجمہ: اور جو مرد یا عورت چور ہو تو ان کا ہاتھ کاٹو ان کے کئے کا بدلہ اللہ کی طرف سے سزا اور اللہ غالب حکمت والا ہے تو جو اپنے ظلم کے بعد توبہ کرے اور سنور جائے تو اللہ اپنی مہر سے اس پر رجوع فرمائے گا بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

---

1 ...... پ2، البقرۃ:179۔ 2 ...... البرہان فی علوم القرآن، 3/261 تا 264 ملخصاً۔ 3 ...... پ6، المائدۃ:38۔

مذکورہ دو آیتوں میں سے پہلی میں چور کی سزا بیان کی گئی ہے کہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے تاکہ اس سخت سزا سے ڈر کر کوئی اور یہ حرکت نہ کرسکے، ظاہر ہے اس سزا میں سختی اور حکمت ہے تو صفاتی نام بھی اسی کے مناسب ذکر کیے گئے۔ جبکہ دوسری آیت میں توبہ کا تذکرہ ہے تو صفاتی نام بھی اس کے موافق لائے گئے؛ اگر ان صفات کی محض جگہ بدل دی جائے تو کلام کی معنوی خوبصورتی برقرار نہیں رہ سکے گی۔

(2) اعجازِ علمی:

قرآنِ کریم کتابِ ہدایت ہے یہ ہر اس طریقے سے ہدایت کا پیغام دیتا ہے جو انسان کو قبولِ حق کے لیے تیار کرے اسی ضمن میں قرآنِ پاک کائنات اور خود انسان کی اپنی ذات میں موجود حقائق کو اس خوبصورتی سے بیان کر دیتا ہے کہ دنیا میں اس فن کے ماہرین انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں۔ مگر یاد رہے! قرآنِ پاک کا بنیادی مقصد یہ علمی اِفادہ نہیں بلکہ ہدایت ہے، علمی اِفادہ ایک ثانوی حیثیت رکھتا ہے۔ اعجازِ علمی کی ایک جہت ملاحظہ کیجیے:

خلقِ انسانی کا بیان: قرآنِ پاک نے خالقِ حقیقی کے وجود کی دلیل بیان کرتے ہوئے انسان کی تخلیق کے مختلف مراحل کا تذکرہ فرمایا ہے کہ وہ پانی کا ایک قطرہ تھا؛ پھر کس طرح ترتیب وار ایک مرحلے سے دوسرے مرحلے کی طرف منتقل کیا گیا اور صورتِ بشری میں ظاہر ہوا۔ چنانچہ فرمایا: ﴿وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا ﴿١٤﴾﴾ [1] ترجمہ: حالانکہ اس نے تمہیں طرح طرح بنایا۔

اس آیت میں انسان کی تخلیق کے مراحل کا اجمالاً تذکرہ ہوا جس کی تفصیل دوسری جگہ یوں کی گئی:

---

[1] ...... پ29، نوح:14۔

﴿ وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍۚ(۱۲) ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍ۪(۱۳) ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًاۗ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَؕ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَؕ(۱۴) ﴾[1]

ترجمہ: اور بے شک ہم نے آدمی کو چُنی ہوئی مٹی سے بنایا پھر اُسے پانی کی بوند کیا ایک مضبوط ٹھہراؤ میں، پھر ہم نے اس پانی کی بوند کو خون کی پھٹک کیا پھر خون کی پھٹک کو گوشت کی بوٹی، پھر گوشت کی بوٹی کو ہڈیاں، پھر اُن ہڈیوں پر گوشت پہنایا پھر اسے اور صورت میں اُٹھان دی تو بڑی برکت والا ہے اللہ سب سے بہتر بنانے والا ہے۔

تخلیقِ انسانی کے ان مراحل کا بیان اس وقت ہوا جب کوئی ظاہری ذریعہ ان مراحل کو پہچاننے کا موجود نہیں تھا اور آج ترقیاتی علوم کے ذریعے قرآن کے اس اعجازِ علمی کا اعتراف ہر خاص وعام کررہا ہے۔ نیز یہ بحث الگ ہے کہ اس ایک آیت میں ترقیاتی علوم کی مزید کن کن شاخوں کی طرف اشارہ ہے!

یاد رہے! قرآنی آیات کے الفاظ بہت سے سربستہ راز رکھتے ہیں، اگر ان میں غور کیا جائے تو جدید دور کے کئی ترقیاتی علوم ان میں پوشیدہ نظر آئیں گے۔

(3) اعجازِ تشریعی:

قرآنِ پاک حیاتِ انسانی کے ہر شعبے کے لیے راہ نمائی رکھتا ہے، اس میں ایک ایسا نظام موجود ہے جو تمام انسانوں کی انفرادی و اجتماعی ضروریات کو نہ صرف بیان کرتا ہے بلکہ اس سے متعلق اصولی راہ نمائی بھی فراہم کرتا ہے؛ اعجازِ تشریعی کا مزید کمال یہ ہے کہ قرآن اللہ پاک کے ایک ایسے برگزیدہ بندے پر نازل ہوا جنہوں نے کسی استاذ یا عالم سے تعلیم حاصل نہ کی اس کے باوجود اپنی امت کو ایک کامل شریعت عطا فرمائی۔

---

[1] ......پ18، المؤمنون: 12 تا 14۔

قرآنِ پاک کا نظامِ تشریعی: فردِ بشر کو اس جہاں میں زندگی بسر کرنے، اپنے اور دوسروں کے حقوق کو سمجھنے، عائلی و معاشرتی تعلقات کا تحفظ کرنے اور دنیا و آخرت میں سرخ رو ہونے کے لیے بنیادی طور پر تین چیزوں کی ضرورت ہے:

1-عقیدہ: قرآنِ پاک نے انسان کو ایسا عقیدہ عطا فرمایا ہے جو نہایت آسان، فطرتِ انسانیہ کے عین موافق، قلب و روح کو سکون و اطمینان دینے والا اور عقل کو حیرت سے بچانے والا ہے، نیز اس کے دلائل عقل و فہم کے مطابق ہیں۔ یہ عقیدہ تین چیزوں پر مشتمل ہے:

- اُلُوہِیَّت — معبودِ حقیقی اور اس کے وحدہ لاشریک ہونے کا یقین۔
- رِسالت و نبوت — معبودِ حقیقی کے بھیجے ہوئے رسولوں اور انبیا کا یقین۔
- مَعاد — مرنے کے بعد اٹھائے جانے کا یقین۔

2-شریعت: قرآنِ پاک نے ایک مکمل شریعت عطا فرمائی ہے جس میں انسان کی فلاح و بہبود کے تمام تر تقاضوں کو پورا کیا گیا ہے، شریعتِ مطہرہ پر عمل انسان کی اجتماعی و انفرادی زندگی کی کامیابی کا ضامن ہے؛ شریعت کو اجمالاً چار چیزوں کے تحت بیان کیا جا سکتا ہے:

- مذہب — نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ وغیرہ کی ادائیگی۔
- خاندان — اہل و عیال کے ساتھ پُر سکون اور محبت و احساس سے لبریز زندگی کا تصور
- اجتماعیت — رنگ و نسل اور وطن و قبیلہ سے بالاتر ہو کر مسلمانوں کا بحیثیت امت ایک قوم ہونے کا تصور۔
- حکومت — ایک ایسی آزاد ریاست اور حکومت کا تصور جو ہر حال میں مسلمانوں کی عزت، مال و جان اور حقوق کی محافظ ہو۔

3-اخلاق: قرآنِ پاک نے انسان کو اعلیٰ اخلاق کا درس دیا ہے، بلکہ اس کی جزئیات تک کو بیان

فرمایا ہے؛ دراصل قرآنِ پاک کے نظامِ اخلاق کی بنیاد تقویٰ اور خشیتِ الٰہی پر ہے جو ایک مسلمان کو چھوٹے سے بچے بلکہ بے زبان جانور سے بھی اچھا سلوک کرنے پر ابھارتی ہے۔ قرآن کے نظامِ اخلاق کو احاطے کی صورت میں یہاں بیان کرنا آسان نہیں لہٰذا اس کے لیے اسلامی کتبِ اخلاق کا مطالعہ کرنا مفید رہے گا۔[1]

(4) اعجازِ غیبی:

قرآنِ پاک کے وُجوہِ اعجاز میں سے ایک زبردست اعجاز غیب کی خبریں دینا یعنی گزشتہ و آیندہ کی باتیں بیان کرنا ہے؛ قرآنِ پاک نے جو خبر دی وہ حقیقت کے عین مطابق تھی اور مستقبل کی جو خبریں دی گئیں وہ تمام کی تمام پوری ہوئیں، مثلاً زمانۂ نبوی میں رومیوں کے ایرانیوں پر غالب آنے کی خبر دی گئی اور وہ سو فیصد پوری ہوئی۔[2]

(5) اعجازِ نفسی:

قرآنِ پاک خود اپنی ذات میں ایسی جاذبیت اور کشش رکھتا ہے کہ اس کو پڑھنے یا سننے والے کے دل میں رقت پیدا ہو جاتی ہے، جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، بے ساختہ آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے، معانی اور الفاظ کی دھمک زمینِ قلب پر ایسا ہَل چلاتی ہے کہ سخت سے سخت دل بھی نرم ہو جاتا ہے اور ایمان و یقین کے پھول کِھل اٹھتے ہیں۔[3] قرآن اپنا یہ اعجاز خود بیان کرتا ہے:

﴿ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِیَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُهُمْ وَ قُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ یَهْدِیْ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۝۲۳ ﴾[4]

---

1 ...... من روائع القرآن، ص246 تا 251 ملخصاً۔ 2 ...... شفا، 1 / 268 تا 270 ملخصاً۔ 3 ...... شفا، 1 / 273۔

4 ...... پ23، الزمر: 23۔

ترجمہ: اللہ نے اُتاری سب سے اچھی کتاب کہ اوّل سے آخر تک ایک سی ہے دوہرے بیان والی اس سے بال کھڑے ہوتے ہیں ان کے بدن پر جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں پھر ان کی کھالیں اور دل نرم پڑتے ہیں یادِ خدا کی طرف رغبت میں یہ اللہ کی ہدایت ہے راہ دکھائے اسے جسے چاہے اور جسے اللہ گمراہ کرے اسے کوئی راہ دکھانے والا نہیں۔

اعجازِ قرآن کے مقاصد:

قرآنِ پاک اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کا ایسا معجزہ ہے جس کی حقانیت قیامت تک باقی رہے گی؛ اعجازِ قرآن کے چار مقاصد بیان کیے جارہے ہیں:

پہلا مقصد: اس بات کو ثابت کرنا کہ قرآن حق ہے اور اللہ ہی کا کلام ہے اور اسی کی طرف سے نازل ہوا ہے۔

دوسرا مقصد: حضرت محمد صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی رِسالت و نبوت کو ثابت کرنا اور اس معجزے کے ذریعے تائید فرمانا۔

تیسرا مقصد: قیامت تک آنے والے انسانوں کی ہدایت کا سامان کر دینا کہ اگر کسی کو بھی دینِ اسلام یا قرآن کے بارے میں شک ہے تو آئے اور اس کا مقابلہ کرے!

چوتھا مقصد: مسلمانوں کے لیے اطمینانِ قلبی کا زبردست ذریعہ بنادینا کہ کسی بھی باطل مذہب کے پیرو کے پاس اپنے مذہب کی حقانیت ثابت کرنے کے لیے کوئی ثبوت یا دلیل موجود نہیں ہے لیکن مسلمانوں کے پاس اشرف المعجزات قرآنِ حکیم موجود ہے۔

مشق

سُوال: اعجازِ قرآن کا معنیٰ حرف بہ حرف بیان کیجیے۔

سُوال: اعجازاتِ خمسہ کون کون سے ہیں؟ ہر ایک کا نام اور معنیٰ بیان کیجیے۔

سُوال: اعجازِ قرآن کو اشرف المعجزات کیوں لکھا گیا ہے؟

سُوال: دیگر معجزات اور معجزۂ قرآن میں فرق واضح کیجیے۔

سُوال: اعجازِ تشریعی میں اعجاز کس طرح ہے؟

سُوال: اعجازِ قرآن کے کوئی دو مقصد بیان کیجیے۔

سُوال: قرآن کے نظامِ تشریعی پر نوٹ لکھیے۔

سُوال: اعجازِ بیانی کی کوئی ایک جہت کتاب سے اور ایک غور و فکر کے بعد قرآن سے بیان کیجیے۔

سُوال: اعجازِ علمی کی کوئی ایک جہت کتاب سے اور ایک غور و فکر کے بعد قرآن سے بیان کیجیے۔

سُوال: قرآن میں غور و خوض کرتے ہوئے کس چیز کو پیشِ نظر رکھنے کی دعوت دی گئی ہے؟

سبق 16

اُسلوبِ قرآن

اُسلوبِ قرآن کا معنٰی:

قرآنِ پاک اسلامی اصولوں، حکمت بھری باتوں، عمدہ نصیحتوں، معنٰی خیز مکالموں، ماضی و مستقبل کی خبروں اور ثواب و عذاب کی بشارتوں وغیرہ کا ملا جلا بیان ہے جس میں ادبی پہلو، بیانی خوبیاں اور علمی وجاہت اپنے کمال کے ساتھ موجود ہے؛ یہ بیان نہ خالصتاً نثر میں ہے نہ نظم میں بلکہ اپنے خاص اُسلوب میں ہے جس کا موجد خود قرآن ہی ہے، البتہ اس میں نظم سے زیادہ لذت اور نثر سے بڑھ کر وقار پایا جاتا ہے۔

وضاحت:

❁ قرآنِ پاک دیگر کتابوں کی طرح ایک موضوع پر مشتمل یا ابواب و فصول میں منقسم نہیں ہے بلکہ مختلف عنوانات پر مشتمل کئی سورتوں میں اس طرح سمایا ہوا ہے کہ ایک ایک سورت اسلام کی ترجمان ہے۔[1]

❁ علمی، خطابی اور ادبی اُسلوب کی خصوصیات الگ الگ ہیں، ان سب کا دائرۂ عمل جداگانہ ہونے کے باوجود بھی قرآن ایک ہی عبارت میں ان تینوں کو اس طرح جمع کر دیتا ہے کہ علم کی سنجیدگی بھی ہوتی ہے، خطابت کا زور بھی برقرار رہتا ہے اور ادب کی شگفتگی پر بھی اثر نہیں پڑتا۔

❁ قرآن کے کلمات اپنی جگہ ایسے سمائے ہوتے ہیں کہ کوئی دوسرا کلمہ اس کی جگہ ہرگز موزوں نہیں ہو سکتا، ان کلمات کی حَرکات و سَکنات اور ان کی باہمی مُنَاسَبَت عجیب حسن پیدا کرتی ہے کہ عربی نہ جاننے والا شخص بھی اس کا اثر لیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

[1]...... الفوز الکبیر، ص123۔

✿ قرآنی اسلوب ایک ہی عبارت میں نثر و نظم سے بڑھ کر خوف وہیبت، ناز ونعمت، پند ونصیحت جیسے مختلف مضامین کا ایسا جامع بیان ہے جو آج تک کسی ایک شخص کے کلام میں جمع نہیں ہو سکے۔

اسلوبِ قرآنی کی لفظوں میں تعبیر مشکل ہے؛ البتہ قرآنی سورتوں کے اسلوب پر روشنی ڈالی جارہی ہے ملاحظہ کیجیے:

سورتوں کا اسلوب:

اللہ پاک بادشاہوں کا بھی بادشاہ ہے اسی لیے قرآنِ پاک کی سورتوں کے اسلوب اور بادشاہوں کے خطوط میں حد دَرَجہ مُنَاسَبَت پائی جاتی ہے مثلاً جس طرح بادشاہ اپنی رعایا کی راہ نمائی اور حسنِ تدبیر کے لیے وقفے وقفے سے خط بھیجتے ہیں اسی طرح قرآنی سورتیں بھی وقفے وقفے سے نازل ہوتی رہیں۔ جس طرح بادشاہوں کے خطوط ایک جیسے نہیں ہوتے بلکہ ہر خط کا آغاز، اختتام اور درمیان الگ الگ ہوتا ہے اسی طرح سورتوں کا معاملہ ہے۔

قرآنی سورتوں کا آغاز:

قرآنی سورتوں کا آغاز بادشاہوں کے خطوط کی طرح مختلف ہوتا ہے کبھی براہِ راست مقصد سے ابتدا ہوتی ہے، کبھی مقصد کے موافق امور کا بیان ہوتا ہے اور کبھی حروفِ مقطعات کے ذریعے کلام کا آغاز ہوتا ہے۔ ذیل میں سورتوں کے آغاز کی سات کیفیات ذکر کی جارہی ہیں ملاحظہ کیجیے:

کیفیت	سورت	آیت
حمد	فاتحہ	اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ﴿۱﴾ ترجمہ: سب خوبیاں اللہ کو جو مالک سارے جہان والوں کا۔

تسبیح	اعلیٰ	سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۙ﴿۱﴾ ترجمہ: اپنے رب کے نام کی پاکی بولو جو سب سے بلند ہے۔
غرض	قدر	اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ ۚ﴿۱﴾ ترجمہ: بے شک ہم نے اسے شب قدر میں اتارا۔
قسم	نجم	وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۙ﴿۱﴾ ترجمہ: اس پیارے چمکتے تارے محمد کی قسم جب یہ معراج سے اُترے۔
تَشْبِیب [1]	تکویر	اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۪ۙ﴿۱﴾ ترجمہ: جب دھوپ لپیٹی جائے۔
ندا	تحریم	یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱﴾ ترجمہ: اے غیب بتانے والے (نبی) تم اپنے اوپر کیوں حرام کئے لیتے ہو وہ چیز جو اللہ نے تمہارے لیے حلال کی اپنی بیبیوں کی مرضی چاہتے ہو اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔
مقطعات	بَقَرہ	الٓمّٓ ۚ﴿۱﴾
بلا عنوان	مُجَادَلہ	قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَ تَشْتَكِیْۤ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ یَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ﴿۱﴾ ترجمہ: بے شک اللہ نے سنی اس کی بات جو تم سے اپنے شوہر کے معاملہ میں بحث کرتی ہے اور اللہ سے شکایت کرتی ہے اور اللہ تم دونوں کی گفتگو سُن رہا ہے بے شک اللہ سنتا دیکھتا ہے۔ [2]

1 ...... قصیدوں وغیرہ کے شروع میں عجیب مقامات اور ہولناک واقعات کا ذکر کرنا تشبیب کہلاتا ہے۔

2 ...... الفوز الکبیر، 125 تا 126۔

قرآنی سورتوں کا اختتام:

قرآنی سورتوں کا اختتام بھی بادشاہوں کے خطوط کی طرح ہے کہ اس میں کبھی حکمت بھری نصیحت ہوتی ہے، کبھی اہم وصیت اور کبھی دعاؤں پر سورت کا اختتام ہوتا ہے۔ ذیل میں سورتوں کے اختتام کی دس کیفیات ذکر کی جارہی ہیں ملاحظہ کیجیے:

کیفیت	سورت	آیت
وصیت	اٰلِ عمران	یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَ صَابِرُوْا وَ رَابِطُوْا ۫ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۠ (۲۰۰) ترجمہ: اے ایمان والو صبر کرو اور صبر میں دشمنوں سے آگے رہو اور سرحد پر اسلامی ملک کی نگہبانی کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو اس امید پر کہ کامیاب ہو۔
تاکید	ابراھیم	هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَ لِیُنْذَرُوْا بِهٖ وَ لِیَعْلَمُوْۤا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّ لِیَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ۠ (۵۲) ترجمہ: یہ لوگوں کو حکم پہنچانا ہے اور اس لیے کہ وہ اس سے ڈرائے جائیں اور اس لیے کہ وہ جان لیں کہ وہ ایک ہی معبود ہے اور اس لیے کہ عقل والے نصیحت مانیں۔
تہدید [1]	غاشیہ	اِنَّ اِلَیْنَاۤ اِیَابَهُمْ (۲۵) ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا حِسَابَهُمْ۠ (۲۶) ترجمہ: بے شک ہماری ہی طرف ان کا پھرنا ہے پھر بے شک ہماری ہی طرف ان کا حساب ہے۔

1 ...... ڈرانا، دھمکانا یا سرزنش کرنا۔

دعا	بَقَرہ	رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَاۤ اِنْ نَّسِیْنَاۤ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَ لَا تَحْمِلْ عَلَیْنَاۤ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَ لَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَ اعْفُ عَنَّا ۥ وَ اغْفِرْ لَنَا ۥ وَ ارْحَمْنَا ۥ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ۠ (۲۸۶) ترجمہ: اے رب ہمارے ہمیں نہ پکڑ اگر ہم بھولیں یا چوکیں اے رب ہمارے اور ہم پر بھاری بوجھ نہ رکھ جیسا تو نے ہم سے اگلوں پر رکھا تھا اے رب ہمارے اور ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کی ہمیں سہار (طاقت) نہ ہو اور ہمیں معاف فرمادے اور بخش دے اور ہم پر مہر (رحم) کر تو ہمارا مولیٰ ہے تو کافروں پر ہمیں مدد دے۔
حکمت	یوسف	لَقَدْ كَانَ فِیْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ؕ مَا كَانَ حَدِیْثًا یُّفْتَرٰى وَ لٰكِنْ تَصْدِیْقَ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَ تَفْصِیْلَ كُلِّ شَیْءٍ وَّ هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ۠ (۱۱۱) ترجمہ: بے شک ان کی خبروں سے عقل مندوں کی آنکھیں کھلتی ہیں یہ کوئی بناوٹ کی بات نہیں لیکن اپنے سے اگلے کاموں کی تصدیق ہے اور ہر چیز کا مُفَصَّل بیان اور مسلمانوں کے لیے ہدایت و رحمت۔

تَسْلِیَہ (1)	یونس	وَاتَّبِعۡ مَا یُوۡحٰۤی اِلَیۡکَ وَاصۡبِرۡ حَتّٰی یَحۡکُمَ اللّٰہُ ۚۖ وَہُوَ خَیۡرُ الۡحٰکِمِیۡنَ ﴿۱۰۹﴾ ترجمہ: اور اس پر چلو جو تم پر وحی ہوتی ہے اور صبر کرو یہاں تک کہ اللہ حکم فرمائے اور وہ سب سے بہتر حکم فرمانے والا ہے۔
قدرتِ الٰہی	مائدہ	لِلّٰہِ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا فِیۡہِنَّ ؕ وَہُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۱۲۰﴾ ترجمہ: اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب کی سلطنت اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔
تَہۡلِیۡل (2)	توبہ	فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَقُلۡ حَسۡبِیَ اللّٰہُ ۫ۖ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ؕ عَلَیۡہِ تَوَکَّلۡتُ وَہُوَ رَبُّ الۡعَرۡشِ الۡعَظِیۡمِ ﴿۱۲۹﴾ ترجمہ: پھر اگر وہ منہ پھیریں تو تم فرمادو کہ مجھے اللہ کافی ہے اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور وہ بڑے عرش کا مالک ہے۔
صِلَۃُ الارحام (3)	انفال	وَاُولُوا الۡاَرۡحَامِ بَعۡضُہُمۡ اَوۡلٰی بِبَعۡضٍ فِیۡ کِتٰبِ اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ﴿۷۵﴾ ترجمہ: اور رشتہ والے ایک دوسرے سے زیادہ نزدیک ہیں اللہ کی کتاب میں بے شک اللہ سب کچھ جانتا ہے۔

(1) ...... تسلی یا دلاسا دینا، اطمینان دلانا۔ (2) ...... لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یا اس کے ہم معنٰی الفاظ کہنا۔ (3) ...... صلۂ رحمی ۔

جَوَامِعُ الْکَلِم	زِلْزَال	فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝ ترجمہ: تو جو ایک ذرّہ بھر بھلائی کرے اسے دیکھے گا اور جو ایک ذرّہ بھر برائی کرے اسے دیکھے گا۔ (1)

قرآنی سورتوں کا درمیان:

قرآنی سورتوں کا درمیان ایک یا ایک سے زائد مرکزی مضامین اور ضمنی موضوعات پر مشتمل ہوتا ہے مثلاً وجودِ باری تعالیٰ اور توحیدِ الٰہی کے دلائل، مرنے کے بعد اٹھنے کا بیان اور رِسالت و نبوت وغیرہ جیسے مرکزی عنوانات اور ان کے ضمن میں جنت، دوزخ، وعدہ و وعید وغیرہ کا تذکرہ۔ (2)

مشق

سُوال: قرآن کا معنیٰ قیودات کا لحاظ کرتے ہوئے اپنے لفظوں میں بیان کیجیے۔

سُوال: اسلوبِ کلام کی اصناف کے ضمن میں اسلوبِ قرآنی پر روشنی ڈالیے۔

سُوال: قرآنی سورتوں اور بادشاہوں کے خطوط میں کیا مناسبت ہے؟

سُوال: سورتوں کے آغاز کی کیفیت تحریر کیجیے اور کتاب کے علاوہ تین مثالیں بھی لکھیے۔

سُوال: سورتوں کی اختتامی کیفیت پر روشنی ڈالیے اور کتاب کے علاوہ تین مثالیں ذکر کیجیے۔

سُوال: درجِ ذیل اصطلاحات کا معنیٰ بیان کیجیے:

* تشبیب * تہدید * صِلَۃُ الْاَرْحام * تسلیہ
* تہلیل * جَوَامِعُ الْکَلِم * مقطعات

---

(1) الفوز الکبیر، ص126۔ (2) الفوز الکبیر، ص127۔

سبق 17

مضامینِ قرآن کا معنیٰ:

نزولِ قرآن کے مقاصد میں کفر و شرک کا خاتمہ، برے اعمال کی روک تھام، لوگوں کو باکردار مسلمان بنانا اور ان کی دنیاوی اور اخروی زندگی کو سنوارنا شامل ہے؛ قرآنِ پاک کے مضامین ان ہی چیزوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔[1]

مضامینِ قرآن کی قسمیں:

قرآنِ پاک کے مضامین بنیادی طور پر تین قسموں پر مشتمل ہیں:

(1)توحید (2)تذکیر (3)احکام

(1)توحید:

مضامینِ توحید میں اللہ و رسول پر ایمان اس کے تقاضے اور منکرین کا رد ہوتا ہے؛ اس لحاظ سے مضامینِ توحید میں دو چیزوں کا بیان ہوتا ہے:

1-تذکیر بآلاءِ اللہ: قدرتِ خداوندی کی وضاحت کے لیے آسمان و زمین کی تخلیق اور اللہ پاک کی طرف سے دی جانے والی طرح طرح کی بے شمار نعمتوں کا بیان کیا جاتا ہے کہ جس رب نے اس کائنات کو تخلیق فرمایا، بے مثال ترتیب پر اس کو بسایا اور اپنی مخلوق کی تمام ضروریات کو پورا کرنے کا انتظام فرمایا وہی اس کا حق رکھتا ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اور اس کے برگزیدہ پیغمبروں کی اتباع کر کے اس کو راضی کیا جائے۔

2-جدل / مخاصمہ: کسی بھی طرح اسلامی فکر سے ٹکرانے والے گروہ کی نشاندہی کی جاتی ہے

---

[1] ...... تفسیر روح المعانی، الجزء الثلاثون، 15 / 668 ماخوذاً۔

اور ان کا رد کیا جاتا ہے؛ جعل سازیوں، چال بازیوں اور باطل نظریات پر اَڑ جانے والے کافروں کو واضح دلائل و قرائن کی روشنی میں دعوتِ حق پیش کی جاتی ہے اور نہ ماننے پر ان کے خود ساختہ بھونڈے دلائل کا رد کیا جاتا ہے۔ قرآنِ پاک اپنے زمانۂ نزول کے پسِ منظر میں چار گروہوں کا رد کرتا ہے:

i. مشرکین: یہ گروہ خود کو حنیف یعنی دینِ ابراہیم کا پیروکار کہا کرتا تھا اور حقیقت میں انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعلیمات کو پسِ پشت ڈال رکھا تھا۔ یہ گروہ اللہ پاک کو مانتا اس کی قدرت کا اعتراف کرتا اور اسے ہی خالق کائنات تسلیم کرتا تھا، لیکن اس کے ساتھ غیرِ خدا کو شریک بھی ٹھہراتا، بتوں کی پوجا کرتا، فِرشتوں کو اس کی بیٹیاں کہتا، مرنے کے بعد اٹھنے کا انکار کرتا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی رِسالت کو جھٹلاتا تھا۔

ii. یہود: یہ گروہ تورات پر ایمان رکھتا تھا، لیکن ساتھ ہی کئی برائیوں کا شکار تھا مثلاً اللہ کے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم پر صرف اس وجہ سے ایمان نہیں لاتا تھا کہ وہ حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام کی اولاد سے ہیں، اللہ اور اس کے رسول کی طرف نازیبا چیزوں کی نسبت کیا کرتا تھا، تورات شریف میں لفظی اور معنوی تحریف کرتا تھا، نیز انہوں نے تورات کی کئی آیات کو چھپا رکھا تھا اور اس میں اپنی مرضی کی باتیں شامل کر دی تھیں۔

iii. نصاریٰ: یہ گروہ انجیل پر ایمان رکھتا تھا، لیکن ساتھ ہی کئی برائیوں کا شکار تھا مثلاً عقیدۂ تثلیث و تصلیب کا قائل تھا یعنی تین خدا تسلیم کرتا؛ اس کے نزدیک باپ خالق کائنات ہے، بیٹا حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور روحِ قدس حضرتِ جبریل ہیں؛ بظاہر تو یہ الگ الگ ہیں لیکن ان کے مل جانے سے ایک خدا بنتا ہے! ان کا یہ نظریہ بھی تھا کہ حضرت

آدم علیہ السلام سے جنت میں گناہ ہوا جو نسل در نسل ان کی اولاد میں منتقل ہوتا ہوا آیا، اس کے کفارے کے لیے باپ نے اپنے بیٹے کو پیدا کیا وہ سولی پر لٹکایا گیا اور پوری انسانیت کی طرف سے کفارہ بن گیا۔

iv. منافقین: یہ گروہ بظاہر مسلمان تھا لیکن دل میں کفر چھپائے رکھتا تھا، اس کی وجہ یا تو یہ تھی کہ انہیں اسلام کی شان و شوکت اور اس کے مقابلے کے قابل نہ ہونے کا خوف تھا یا پھر مالی فوائد حاصل کرنا مقصود تھا جیسے مالِ غنیمت اور زکوٰۃ وغیرہ۔

یہ چار گروہ زمانۂ نزول میں موجود تھے اس لیے ان کا صراحتاً رد کیا گیا۔ ان کے علاوہ قرآنِ پاک میں قیامت تک آنے والے تمام باطل گروہوں کا اجمالاً اور تفصیلاً رد بھی موجود ہے۔

(2) تذکیر:

مضامینِ تذکیر میں جنت و دوزخ، ترغیب و ترہیب، تزکیۂ نفس اور سابقہ قوموں کے احوال کا تذکرہ ہوتا ہے؛ اس لحاظ سے مضامینِ تذکیر میں دو چیزیں بیان کی جاتی ہیں:

1- تذکیر بایامِ اللہ: دینِ حق قبول کرنے والے خوش نصیبوں کا تذکرہ اور ان پر انعاماتِ الٰہیہ کا بیان ہوتا ہے جبکہ نافرمان خود سر کافروں کے انجام اور ان پر آنے والے عذاب کو بیان کیا جاتا ہے؛ اسی ضمن میں انبیائے کِرام علیہمُ السّلام کے واقعات و گزشتہ قوموں کے احوال کا کہیں تفصیلی اور کہیں اجمالی تذکرہ ہوتا ہے اور کوئی واقعہ تکرار کے ساتھ بھی ذکر کر دیا جاتا ہے۔

2- تذکیر بالموت وما بعدہ: موت اور مرنے کے بعد کے احوال بیان کیے جاتے ہیں؛ برزخ، احوالِ قیامت، حشر و نشر اور حساب و جزا کے ساتھ ساتھ جنت اور اس کی نعمتوں، جہنم اور اس کے عذابات کا ذکر ہوتا ہے تاکہ انسان ان سب چیزوں کے لیے تیاری کرے اور خوف و امید کے درمیان رہتے ہوئے بے ضرر زندگی گزارے۔

(3) احکام:

مضامینِ احکام میں حلال و حرام اور واجبات و مکروہات وغیرہ کا بیان ہوتا ہے؛ اس لحاظ سے قرآنِ پاک میں احکام پر مشتمل صریح آیات کی تعداد 500 ہے جن میں عملی زندگی کے مسائل کا بیان ہے، [1] جبکہ بیسیوں آیات میں عبادات کے ساتھ ساتھ مختلف شعبوں پر زبردست راہ نمائی فراہم کی گئی ہے، نیز آداب، اخلاقِ حسنہ اور زندگی کو سنوارنے والی تعلیمات بھی موجود ہیں۔

مشق

سُوال: مقاصدِ قرآن کی روشنی میں مضامینِ قرآن کا معنیٰ بیان کیجیے۔

سُوال: مضامینِ قرآن کی قسمیں اور ان کا معنیٰ بیان کیجیے۔

سُوال: تذکیر بآلاءِ اللّٰہ کے بارے میں بتایئے اور قرآن شریف سے دو مثالیں بھی ذکر کیجیے۔

سُوال: قرآن میں جدل و مخاصمہ کیوں مذکور ہوا؟

سُوال: قرآن صراحتاً کتنے گروہوں کا رد کرتا ہے؟ ان کا تعارف اور نظریات بیان کیجیے۔

سُوال: مضامینِ تذکیر کے مقاصد و معانی اپنے لفظوں میں بیان کیجیے۔

سُوال: صریح آیاتِ احکام کتنی ہیں؟ کیا ان کے علاوہ دیگر آیات سے احکام حاصل ہو سکتے ہیں؟

---

[1] ...... البرہان فی علوم القرآن، 2/6۔

سبق 18

تفسیرِ قرآن

تفسیرِ قرآن کا معنٰی:

قرآنِ پاک کے الفاظ و معانی میں غور و فکر کے بعد احکامِ شریعت، مسائلِ دین، محاسنِ اسلام کو واضح کرنا اور ممکنہ اعتراضات کو دور کرنا۔

وضاحت:

تفسیر کا تعلق قرآنِ پاک کے ساتھ ہے لہٰذا علمِ قراءت، علمِ لغت، علمِ فقہ و اصولِ فقہ، علمِ اخلاق اور علمِ کلام جیسے علوم جو فہمِ قرآن کے لیے بنیادی حیثیت رکھتے ہیں یا انسانی زندگی سے ان کا بنیادی ربط بنتا ہے تو وہ تفسیر سے متعلق ہوں گے۔ البتہ وہ علوم جو نہ فہمِ قرآن کے لیے کارآمد ہیں نہ انسانی زندگی سے ان کا کوئی تعلق ہے قرآنی آیات کے تناظر میں ان پر بات کرنا تفسیرِ قرآن نہیں! مثلاً ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَالَ فِرْعَوْنُ یٰهَامٰنُ ابْنِ لِیْ صَرْحًا لَّعَلِّیْۤ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ۟ۙ﴾ (1)

ترجمہ: اور فرعون بولا اے ہامان میرے لیے اونچا محل بنا شاید میں پہنچ جاؤں راستوں تک۔

اس آیت کے تحت فنِّ تعمیر کے اصول و جزئیات پر بحث کرنا اور انجینئرنگ کے فارمولے قرآن پاک سے نکالنا یا دنیا میں کہاں کہاں کس کس طرح تعمیراتی کام کیے جاتے ہیں، بنیادوں کو کس طرح مضبوط بنایا جاتا ہے اور اس کے لیے کس قسم کی زمین درکار ہوتی ہے وغیرہ پر بحث کرنا ہرگز تفسیرِ قرآن نہیں ہے۔

---

1 ...... پ24، المؤمن: 36۔

تفسیر کے مراتب:

آیتِ قرآنیہ کے معانی و مفاہیم کو سمجھنے کے لحاظ سے تفسیر کے چار مراتب ہیں؛ ان میں سے ہر ایک وضاحت کے ساتھ ملاحظہ کیجیے:

1- کلمہ و کلام: عربی کلمات اور جملوں کی تراکیب کی پہچان سے فہمِ قرآن کے راستے ہموار ہونا شروع ہوں گے، لہٰذا تفسیرِ قرآن میں مہارت حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ان علوم پر مہارت حاصل کی جائے جو کلمات کی ہیئت اور کلام کی تراکیب سمجھنے میں آسانی پیدا کریں جیسے علمِ صرف، علمِ نحو، علمِ لغت اور علومِ بلاغت۔

اہلِ عرب کو عام طور پر یہ علوم سیکھنے کی زیادہ ضرورت نہیں ہوتی لیکن عجمی حضرات کو اس کے لیے الگ سے محنت کی ضرورت ہوتی ہے۔

2- معانیِ ضروریہ: قرآنِ کریم کی وہ باتیں جنہیں پڑھ یا سن کر ہر شخص بغیر وضاحت طلب کیے ان کا معنیٰ سمجھ جائے اگرچہ وہ ان کلمات کی فنی بحث سے ناواقف ہو مثلاً

﴿فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾[1] ترجمہ: تو جان لو کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہیں۔

یہ آیتِ مبارکہ سن کر ہر شخص جان جائے گا کہ ”حقیقی بندگی اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے اور کوئی دوسرا اس کا شریک نہیں ہو سکتا“ اگرچہ یہ معنیٰ جاننے والے شخص کو ”اِعْلَمْ“ صیغہ نہ معلوم ہو، وہ ”لَا“ اور ”اِلَّا“ کی بحث نہ جانتا ہو اور آیت میں موجود حَصر سے بھی ناواقف ہو۔

تفسیر کے اس مرتبے کے لیے عقل و فہم کا درست ہونا اور احساسِ قلبی کا بیدار ہونا ضروری ہے ورنہ معانیِ قرآن کی پہچان تو دور، ہدایتِ ربانی سے ہی محرومی ہو سکتی ہے۔

---

1 ...... پ26، محمد:19۔

3-حلال وحرام: قرآنِ کریم کی وہ باتیں جو انسانی زندگی کی ضروریات پر مشتمل ہوں مثلاً عقائد و نظریات، عبادات و معاملات، معاشیات و معاشرت وغیرہ۔ تفسیرِ قرآن میں مہارت کے لیے ضروری ہے پہلے دو مراتب کے ساتھ ساتھ ان علوم پر مہارت حاصل کی جائے جو فہم وفراست میں ملکۂ کمال اور نظمِ قرآنی کے خفیہ معانی کی تلاش میں باریک بینی پیدا کریں نیز مقاصدِ شرع سے واقفیت بھی کروائیں جیسے علمِ حدیث واصولِ حدیث، علمِ فقہ و اصولِ فقہ، علمِ کلام اور دیگر علومِ عقلیہ ونقلیہ۔

تفسیر کے اس مرتبے تک پہنچنے کے لیے بہت زیادہ محنت کرنا پڑتی ہے اور بارگاہِ الٰہی سے توفیق ملنا بھی ضروری ہے۔

4-اسرار: قرآنِ کریم کی وہ باتیں جو علمِ الٰہی سے تعلق رکھتی ہیں یا انسانی حواس کے ذریعے ان کا جاننا ممکن نہیں مثلاً آیاتِ مُتشابہات کے معانی، روح وفِرشتے کی تفسیر، جنت و دوزخ کی وضاحت وغیرہ۔ یہ وہ راز ہیں جن پر یقین رکھنا ایمان کی بنیاد ہے اور یہی ایمان ایک مسلمان کا امتحان ہے۔ البتہ ان چیزوں کے وجود کا علم قرآنی آیات کے ذریعہ ہی ہوتا ہے جن کی کیفیت بس اتنی ہی معلوم ہو سکتی ہے جتنی قرآنِ کریم صراحتاً بیان کر دے! اس کے علاوہ اللہ پاک کی عطا کے بغیر کسی بھی ذریعے سے کوئی انسان ان اسرار کی حقیقت کو نہیں جان سکتا۔[1]

تفسیر کی قسمیں:

آیاتِ قرآنیہ کے معانی ومفاہیم کی وضاحت کرنے کے لحاظ سے تفسیر کی دو قسمیں ہیں:

(1) تفسیر بالروایہ (2) تفسیر بالدرایہ

---

1 ...... الاتقان فی علوم القرآن، 2/1213 تا 1214-البرہان فی علوم القرآن، 2/85۔

(1) تفسیر بالروایہ:

قرآنِ پاک کی وہ تفسیر جس میں مفسر کی رائے کو دخل نہ ہو بلکہ قرآن وحدیث میں وہ تفسیر موجود ہو؛ اس تفسیر کو "تفسیر بالماثور" بھی کہا جاتا ہے۔ تفسیر بالماثور کی تین قسمیں ہیں:

1- **تفسیرِ قرآن بالقرآن:** قرآنِ پاک کی وہ تفسیر جو قرآنی آیات ہی سے کی جائے، مثلاً قرآنِ پاک میں ایک جگہ کوئی حکم بیان کیا جائے اور دوسری جگہ اس حکم کی مدت کے اختتام کا ذکر ہو، یا ایک مقام پر کوئی بات وضاحت کے ساتھ ذکر نہ کی جائے اور دوسری جگہ اس کی وضاحت کر دی جائے تو یہ دوسرا مقام پہلے کے لیے تفسیر ہو گا۔ تفسیرِ قرآن کی یہ قسم سب سے اعلیٰ ہے۔

2- **تفسیرِ قرآن بالحدیث:** قرآنِ پاک کی وہ تفسیر جو رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے فرامین سے کی جائے، مثلاً قرآنِ پاک میں کوئی حکم بیان ہو مگر اس حکم کو پورا کرنے کی کیفیت یا طریقہ مذکور نہ ہو اور حدیثِ پاک میں اس کی وضاحت موجود ہو تو وہ حدیث اس حکمِ قرآنی کے لیے تفسیر ہو گی۔

3- **تفسیرِ قرآن بآثارِ الصحابہ:** قرآنِ پاک کی وہ تفسیر جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال سے کی جائے۔ اس کے لیے شرط یہ ہے کہ تفسیر بیان کرنے والے صحابی کوئی ایسی چیز بیان فرمائیں جس میں ان کی رائے کو دخل نہ ہو مثلاً غیب کی باتیں، اسباب نزول وغیرہ، کیونکہ وہ چیزیں جس میں رائے کو دخل نہ ہو اور صحابی بیان فرمارہے ہوں تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم سے سن کر ہی بیان کر رہے ہوں گے۔ اگر ایسی بات بیان فرمائیں جس میں رائے کو دخل ہو تو وہ تفسیر بالروایۃ کے تحت نہیں ہو گی بلکہ تفسیر بالدرایۃ میں شمار ہو گی۔ ہاں اگر کسی آیت کے معنیٰ پر درایۃً صحابۂ کرام کا اجماع ہو جائے تو وہ تفسیر

بھی تفسیر بالدرایہ نہیں بلکہ تفسیر بالماثور ہی سمجھی جائے گی۔[1]

(2) تفسیر بالدرایہ:

قرآنِ پاک کی وہ تفسیر جو مفسر اپنے علم و فہم کے مطابق ذاتی رائے سے بیان کرے؛ اس تفسیر کو ”تفسیر بالرائے“ بھی کہا جاتا ہے۔ تفسیر بالرائے کی دو قسمیں ہیں:

1- **تفسیر بالرائے صحیح:** مفسر کی رائے کے مطابق ہونے والی قرآن کی وہ تفسیر جو قرآن و حدیث اور اصولِ شرع کے خلاف نہ ہو بلکہ ان کی وضاحت اور عمدہ معانی کے حصول کا ذریعہ بنے؛[2] اس تفسیر کی دو بنیادی قسمیں ہیں:

i. **تفسیرِ فقہی:** وہ تفسیر جس میں مفسر اپنے علم و فہم اور اجتہاد کے زور پر شرعی مسائل اور دینی احکام بیان کرے یا ان کو نقل کرے۔ تفسیرِ فقہی کا سلسلہ دورِ رسالت سے جاری و ساری ہے اور کئی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے قرآنی آیات میں غور و فکر کے بعد اپنی رائے سے مسائل حل کرنا ثابت ہے، مثلاً قرآنِ پاک طلاق یافتہ عورت کی عدت بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍؕ﴾[3]

ترجمہ: اور طلاق والیاں اپنی جانوں کو روکے رہیں تین حیض تک۔

اس آیت میں عدت کا زمانہ تین ”قُرُوْء“ بیان کیا گیا ہے اور لفظ ”قُرُوْء“ لغت میں دو معنیٰ کے لیے آتا ہے (1) عورت کی پاکی کی حالت (2) عورت کے مخصوص ایام کی حالت۔ یہاں یہ لفظ کس معنیٰ میں استعمال ہوا ہے؟ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی اپنی رائے سے

---

[1] البرہان فی علوم القرآن، 2/192- الاتقان فی علوم القرآن، 2/1197۔

[2] الاتقان فی علوم القرآن، 2/1216۔ [3] پ2، البقرۃ: 228۔

اس کا معنیٰ معین فرمایا چنانچہ حضرتِ عمر فاروقِ اعظم، حضرتِ مولیٰ علی اور حضرتِ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہُ عنہم نے اس آیت میں "قُرُوْء" سے عورت کے مخصوص ایام کی حالت یعنی حیض مراد لیا ہے؛ ان حضرات کے نزدیک طلاق یافتہ عورت کی عدت تین حیض ہو گی، یہی امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃُ اللہِ علیہ کا بھی مؤقف ہے؛ اسی لیے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃُ اللہِ علیہ نے آیت کا ترجمہ کرتے ہوئے "قروء" کا معنیٰ حیض بیان فرمایا جو تفسیرِ فقہی پر مشتمل ترجمہ ہے۔ البتہ دیگر بعض صحابہ کرام جیسے حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت زید بن ثابت اور ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہُ عنہم نے اس سے عورت کی پاکی کی حالت یعنی "طُہر" مراد لیا ہے؛ ان کے نزدیک طلاق یافتہ عورت کی عدت تین طُہر ہو گی۔[1]

ii. **تفسیرِ اشاری:** وہ تفسیر جس میں مفسر اپنے علم و فہم کے ساتھ ساتھ توفیقِ الٰہی سے ملنے والے باطنی اشارات کی بنیاد پر کسی آیت کا وہ معنیٰ بیان کرے جو ظاہری معنیٰ کے علاوہ ہو؛ تفسیرِ اشاری اور ظاہری معنیٰ کے درمیان کسی قسم کا تضاد نہیں ہوتا بلکہ ان میں تطبیق ممکن ہوتی ہے۔[2] تفسیرِ اشاری کا سلسلہ بھی صحابۂ کرام رضی اللہُ عنہم کے زمانے سے جاری ہے، مثلاً صحابیِ رسول حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہُ عنہ فرماتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہُ عنہ مجھے اکابر بدری صحابہ کی مجلس میں شریک فرماتے تھے، بعض حضرات نے اس بات کو محسوس کیا اور کہا: آپ اس بچے کو ہمارے ساتھ کیوں شریک کرتے ہیں؟ یہ ہمارے بچوں کی عمر کا ہے! حضرت عمر نے ان سے فرمایا: آپ لوگ اس کی وجہ جانتے ہیں! پھر ایک دن حضرت عمر نے مجھے بلایا اور اسی طرح بیٹھک میں شریک

---

1. تفسیر قرطبی، 2/88، پ2، البقرۃ، تحت الآیۃ: 228۔
2. الاتقان فی علوم القرآن، 2/1219۔

کرلیا، میں سمجھ گیا کہ آج امیر المؤمنین ان پر یہ بات ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ وہ مجھے کیوں اپنی مجلس میں شریک کرتے ہیں۔ آپ نے وہاں موجود صحابہ سے سوال کیا کہ آپ حضرات سورۂ نصر سے متعلق کیا فرماتے ہیں کہ اس میں کیا بیان کیا گیا ہے؟ بعض نے کہا: "اللہ پاک نے ہمیں فتح و نصرت ملنے پر تسبیح و تحمید کرنے اور توبہ و استغفار کرنے کا حکم دیا ہے!" اور چند افراد نے کچھ بھی جواب نہیں دیا بلکہ خاموش رہے۔ پھر حضرت عمر نے مجھ سے فرمایا: ابن عباس! آپ کی کیا رائے ہے؟ کیا ایسا ہی ہے جیسا ان حضرات نے فرمایا؟ تو میں نے عرض کی نہیں ایسا نہیں ہے۔ پوچھا پھر کیا بات فرمائی گئی ہے؟ میں نے جواب دیا: "اس سورت میں رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے دنیا سے پردہ فرمانے کی خبر دی گئی ہے کہ اللہ کی مدد و نصرت کا آجانا (اور جوق در جوق لوگوں کا دین اسلام میں داخل ہونا آپ کی بعثت کے مقصد کا پورا ہونا ہے اور یہی چیز) آپ کے پردہ فرمانے کی خبر ہے لہٰذا آپ کو حکم ہوا کہ اپنے رب کی پاکی بیان کریں اور اس سے بخشش کا سُوال کریں بے شک وہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔ یہ سن کر حضرت عمر نے فرمایا: ہاں! میں بھی یہ ہی جانتا تھا جو تم نے کہا۔[1]

2- تفسیر بالرائے باطل: اس مفسر کی رائے کے مطابق ہونے والی قرآن کی تفسیر جو اُصولِ دین اور مقاصدِ شرع سے نابلد ہو اور اس کی رائے عقلاً اور شرعاً درست نہ ہو۔ ایسی تفسیر کرنا حرام ہے۔[2]

تفسیر کی شرائط:

قرآنِ کریم کی تفسیر کے لیے درج ذیل تین شرائط ہیں:

---

1. بخاری، 3/105، حدیث: 4294۔
2. البرہان فی علوم القرآن، 2/197 - فتاویٰ رضویہ، 14/373۔

❁ ہر کلمہ اپنے حقیقی معنٰی یا مجازِ مُتعَارَف [1] پر محمول ہو۔

❁ کلام کا سیاق و سباق اور باہمی ربط ملحوظ رہے۔

❁ شاہدانِ نزولِ وحی یعنی نبی علیہ السلام اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی تفسیر کے خلاف نہ ہو۔

اگر تفسیر میں پہلی شرط نہ پائی جائے تو وہ تاویلِ قریب ہو گی، دوسری نہ ہو تو وہ تاویلِ بعید ہو گی اور تیسری بھی نہ ہو تو وہ نہ تاویل ہو گی نہ تفسیر بلکہ تحریف ہو گی۔ [2]

مشق

سوال: تفسیرِ قرآن کا معنٰی بیان کیجیے اور بتائیے کہ تفسیر کے ساتھ کن علوم کا تعلق ہوتا ہے؟

سوال: تفسیر کے ضمن میں کون سی ابحاث غیر متعلقہ شمار کی جائیں گی مثال سے واضح کیجیے؟

سوال: تفسیر کے مراتب بیان کیجیے اور بتائیے کہ کس مرتبے کے لیے کیا چیز ضروری ہے؟

سوال: تفسیر بالروایہ اور اس کی اقسام کی وضاحت کیجیے۔

سوال: تفسیرِ فقہی اور تفسیرِ اشاری پر روشنی ڈالیے۔

سوال: تفسیر بالرائے صحیح اور تفسیر بالرائے باطل کا بنیادی فرق واضح کیجیے۔

سوال: تفسیر کی شرائط لکھیے اور بتائیے کہ تفسیر کب تاویل ہو گی اور کب تحریف؟

سوال: تفسیر کی اقسام پر مشتمل نقشہ اپنی کاپی پر خوش خط لکھیے۔

---

1 ...... لفظ کا وہ مجازی معنٰی جو متبادر الی الفہم ہو یعنی لفظ سے وہ مجازی معنٰی سمجھا جاتا ہو اور اس لفظ کا حقیقی معنٰی مراد لینے میں کوئی حرج بھی نہ ہو تو اس مجازی معنٰی کو "مجاز متعارف" کہا جاتا ہے، مثلاً حنطہ یعنی گندم اس کا حقیقی معنٰی بھی مراد لیا جاسکتا ہے، اس کے ساتھ ہی مجازی معنٰی بھی رائج ہے یعنی گندم کی روٹی، تو یہ دوسرا معنٰی مجاز متعارف کہلائے گا۔

2 ...... تفسیر عزیزی، 2/296، پ29، القیامۃ، تحت الآیۃ:25۔

سبق 19

مفسرِ قرآن:

وہ عالمِ باعمل جو علومِ قرآن اور اصولِ دین کا ماہر ہو اور مقاصدِ شرع کی روشنی میں قرآن کو سمجھانے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

مفسر کی شرائط:

علومِ اسلامیہ میں سب سے اہم علم "تفسیرِ قرآن" ہے، اسی لیے ہر شخص مفسر بننے کا مجاز نہیں ہو سکتا؛ اس منصب کے لیے علم و عمل کے ساتھ ساتھ توفیقِ الٰہی کا ہونا بھی ضروری ہے۔ ذیل میں قابلِ بھروسا مفسر کی نو شرائط بیان کی جارہی ہیں، ملاحظہ کیجیے:

(1) عقیدۂ اہلِ سنت (2) عملِ صالح

(3) اتباعِ سُنَّت (4) پابندیٔ سُنَّت

(5) درست نیت (6) روایات و آثار کا علم اور ان پر مکمل اعتماد

(7) بدعاتِ سیئہ سے اجتناب (8) قواعدِ عربیہ میں مہارت

(9) مُتَعَارِض اقوال میں ترجیح کی صلاحیت اور دفع تعارُض کی قابلیت [1]

مفسر کے لیے ضروری علوم:

قرآنِ پاک اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جس کی مراد کو ہم اس سے سن کر نہیں جان سکتے نہ اس کی طرف رسائی کا کوئی امکان موجود ہے، لہٰذا قرآن کی قطعی تفسیر صرف اور صرف رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی طرف سے ہی معلوم ہو سکتی ہے، لیکن آپ سے چند آیات

[1]...... الاتقان فی علوم القرآن، 2/1198۔

کی تفسیر ہی منقول ہے۔ [1] لہٰذا باقی آیات کی تفسیر معلوم کرنے کے لیے مرادِ الٰہی تک رسائی گہرے غور و فکر کے ساتھ ساتھ قرآنیات پر مہارت کے بعد ہی ممکن ہے۔ ذیل میں مفسر کے لیے 25 ضروری علوم ذکر کیے جارہے ہیں ملاحظہ کیجیے:

(1) علمِ لغت (2) علمِ نحو (3) علمِ صرف (4) علمِ اشتقاق (5 تا 7) علومِ بلاغت (8) علمِ قراءات (9) علمِ اصولِ الدین (10) علمِ اصولِ فقہ (11) علمِ فقہ (12) علمِ اسبابِ نزول وقصص (13) علمِ ناسخ و منسوخ (14) علمِ احادیثِ مُبَیِّنَہ (15) علمِ موہبہ / علمِ لدنی (16) علمِ کلام (17) علمِ تاریخ (18) علمِ جغرافیہ (19) علمِ زہد و رقاق (20) علمِ اسرار (21) علمِ جدل وخلاف (22) علمِ سیرت (23) علمِ حقائق (24) علمِ حساب (25) علمِ منطق۔ [2]

مفسرین کے طبقات:

ہر زمانے میں فہمِ قرآن اور تبلیغِ قرآن کے لیے کوششیں کی گئیں اور کثیر اہلِ علم حضرات نے قرآنِ کریم کی تفاسیر بیان فرمائیں؛ ہر دور کے مطابق مفسرین کا اندازِ تفسیر مختلف رہا اس لحاظ سے مفسرین کے تین طبقات بیان کیے گئے ہیں، ملاحظہ کیجیے:

---

1 ...... رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم سے پورے قرآن کی تفسیر منقول نہ ہونے میں حکمت یہ ہے کہ اللہ کے بندے اس کی کتاب میں خوب غور و فکر کریں، اپنے رب کے کلام کی چاشنی سے لطف اندوز ہوں اور اس کی گہرائی کا اندازہ کریں؛ اس طرح ان کی فہم و فراست میں اضافہ ہوگا اور اللہ پاک سے محبت میں بھی پختگی آئے گی۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کو ہر ہر آیت کی مراد واضح کرنے کا حکم نہیں فرمایا، بلکہ آپ نے مفسرین کی طرف سے بیان کردہ رائے کو درست قرار دیا، جس سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ قرآن میں غور و فکر کرکے اور شرائط کا لحاظ کرتے ہوئے تفسیر کرنا بالکل درست ہے۔ (البرہان فی علوم القرآن، 1 / 37 ملتقطاً)

2 ...... الاتقان فی علوم القرآن، 2 / 1209 تا 1212 - احسن البیان، 1 / 112۔

(1) مفسرین کا پہلا طبقہ:

مفسرینِ قرآن کا پہلا طبقہ صحابۂ کِرام رضی اللہُ عنہم کا ہے ان حضرات نے مشکاتِ نبوت سے نورِ قرآن حاصل کیا اور فیضانِ نبوت سے خوب مالامال ہوئے پھر تربیتِ نبوی کی روشنی میں قرآن کی تفاسیر کو آنے والے لوگوں کے لیے بیان فرماتے رہے؛ مفسرین کے اس عظیم طبقہ میں دس صحابۂ کِرام مشہور ہوئے جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

1- حضرت ابو بکر صدیق
2- حضرت عمر فاروقِ اعظم
3- حضرت عثمانِ غنی
4- حضرت علی المرتضی
5- حضرت عبد اللہ بن عباس
6- حضرت عبد اللہ بن زبیر
7- حضرت ابی بن کعب
8- حضرت عبد اللہ بن مسعود
9- حضرت زید بن ثابت
10- حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہُ عنہم [1]

صحابۂ کِرام کا اندازِ تفسیر:

چونکہ صحابۂ کِرام رضی اللہُ عنہم کے زمانے میں تفسیر نے باقاعدہ فن کی حیثیت اختیار نہیں کی تھی نہ ہی تفسیری مباحث و مذاہب سامنے آئے تھے تو ان کی تفسیر کا انداز بالکل سادہ تھا جو فہمِ قرآن کی بنیادی چیزوں میں معاون ہوتا؛ صحابۂ کِرام کے انداز تفسیر کو چار نِکات کے تحت بیان کیا جارہا ہے:

1- مفردات کی تحقیق: صحابۂ کِرام مفرداتِ قرآن کے معنیٰ معین کرنے اور ان کی تحقیق کے لیے شعرائے عرب کے اشعار سے استدلال کرتے، مثلاً حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہُ عنہ نے خارجی سردار نافع بن ازرق کے سُوالوں کے جواب میں زمانۂ جاہلیت کے اشعار سے ثبوت پیش کرکے مفرداتِ قرآن کی تحقیق فرمائی۔ [2] اس کے علاوہ یہ حضرات از خود

[1] ...... الاتقان فی علوم القرآن، 2/1227۔ [2] ...... معجم کبیر، 10/248، حدیث: 10597۔

بھی مفردات کی تحقیق فرماتے جس میں کسی بھی شعر وغیرہ کا حوالہ نہ ہوتا؛ ان حضرات کی یہ تفسیر اہلِ زبان ہونے کی وجہ سے حجت مانی جاتی ہے۔

2- عقائد و احکام: صحابۂ کِرام عقائد، احکام اور ناسخ و منسوخ سے متعلق تفسیر فرماتے لیکن ان حضرات کی یہ تفسیر خالصتاً منقولی ہوتی؛ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے جو بیان فرمایا ان حضرات نے اسی کو آگے بڑھا دیا۔

3- اسبابِ نزول: صحابۂ کِرام نزولِ قرآن کے پسِ منظر میں تفسیر فرماتے؛ چونکہ ان حضرات کو علم ہوتا کہ فلاں آیت کب اور کس سلسلے میں نازل ہوئی تو ان کی تفسیر سببِ نزول کے عین مطابق ہوتی، مثلاً ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا: آپ کا کیا خیال ہے اگر کوئی صفا و مروہ کی سعی نہ کرے تو کوئی حرج ہو گا؟ کیونکہ قرآن پاک میں ہے: ﴿فَمَنْ حَجَّ الْبَیْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِ اَنْ یَّطَّوَّفَ بِهِمَاؕ﴾[1] ترجمہ: ”تو جو اس گھر کا حج یا عمرہ کرے اس پر کچھ گناہ نہیں کہ ان دونوں کے پھیرے کرے۔“ حضرت عائشہ نے فرمایا: ایسا نہیں ہے جیسا تم سمجھ رہے ہو، اگر یہی بات ہوتی تو یوں ارشاد ہوتا: ” فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِ اَنْ لَّا یَطَّوَّفَ بِهِمَا“ یعنی صفا و مروہ کے چکر نہ لگانے میں کوئی حرج نہیں۔“ پھر آپ نے اس آیت کا شانِ نزول بیان فرمایا کہ مدینۂ منورہ کے انصار صحابۂ کِرام اسلام قبول کرنے سے پہلے یہاں پر ”مناۃ“ نامی بت کے لیے احرام باندھ کر آتے تھے اور صفا و مروہ کے درمیان ”اساف“ اور ”نائلہ“ نامی بتوں کی وجہ سے سعی کرنے میں کتراتے تھے، اس آیت میں انہیں سمجھایا گیا ہے کہ صفا و مروہ شعائرِ اسلام میں سے ہیں جو شخص بیتُ اللہ کا حج کرے یا عمرہ کرے تو کوئی حرج نہیں کہ ان دونوں

[1]......پ2، البقرۃ: 158۔

مقامات کے درمیان سعی بھی کرے۔[1]

4- سیاق و سباق: صحابۂ کِرام تفسیر کے لیے آیت کے سیاق و سباق کو ملحوظ رکھتے اور اسی کے مطابق وضاحت فرماتے، مثلاً ایک شخص کو سورۂ نساء کی آیت نمبر 141 ﴿وَلَنْ یَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِیْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ سَبِیْلًا۠﴾[2] ترجمہ: ”اور اللہ کافروں کو مسلمانوں پر کوئی راہ نہ دے گا۔“ میں اشکال ہوا کہ کفار تو مسلمانوں پر غالب آجاتے ہیں تو اس آیت کا کیا مطلب ہے؟ اس نے امیر المؤمنین حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے سُوال پوچھا تو آپ نے فرمایا: اس آیت سے پہلے والا حصہ دیکھو: ﴿فَاللّٰهُ یَحْكُمُ بَیْنَكُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ﴾[3] ترجمہ: ”تو اللہ تم سب میں قیامت کے دن فیصلہ کر دے گا۔“ یعنی یہ بات قیامت والے دن کے لیے ہے نہ کہ دنیا کے لیے۔[4]

اہم نوٹ: یاد رہے! قرآنِ پاک کی مکمل تفسیر نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے بیان فرمائی نہ ہی صحابۂ کِرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے ہر ہر آیت کی تفسیر بیان کرنے کا اہتمام فرمایا بلکہ ان کی تفاسیر چند آیات سے متعلق تھیں۔

(2) مفسرین کا دوسرا طبقہ:

مفسرینِ قرآن کا دوسرا طبقہ تابعین کا ہے؛ ان حضرات نے صحابۂ کِرام سے تفسیر و حدیث کا علم حاصل کیا اور اسے آگے بیان فرماتے رہے؛ تابعین کے طبقے میں تین شہروں کے مفسرین مشہور ہوئے:

1- مفسرینِ مکہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ مکۂ مکرمہ میں تفسیر قرآن بیان

---

1. بخاری، 1/549، حدیث: 1643- تفسیر بیضاوی، 1/432، پ2، البقرۃ، تحت الآیۃ: 158۔
2. پ5، النساء: 141۔ 3. پ5، النساء: 141۔ 4. مستدرک للحاکم، 3/32، حدیث: 3259۔

فرماتے؛ علمِ تفسیر میں آپ کے پانچ شاگردوں کو بہت شہرت حاصل ہوئی:

1-حضرت مجاہد بن جبر مکی 2-حضرت عطا بن ابی ریاح

3-حضرت طاؤس بن کیسان 4-حضرت عکرمہ مولیٰ ابن عباس

5-حضرت سعید بن جبیر رحمۃُ اللہِ علیہم [1]

2-مفسرینِ کوفہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہُ عنہ کوفہ میں تعلیماتِ قرآن کا چراغ روشن کیے ہوئے تھے؛ آپ کے شاگردوں کی بہت بڑی جماعت تھی ان میں سے چند مشہور مفسرین کے نام یہ ہیں:

حضرتِ علقمہ حضرتِ مسروق حضرتِ اسود بن یزید وغیرہ رحمۃُ اللہِ علیہم [2]

3-اہلِ مدینہ: مدینہ منورہ میں یہ حضرات مشہور ہوئے:

(1) حضرتِ زید بن اسلم (2) حضرتِ عبد الرحمن بن زید

(3) حضرتِ مالک بن انس وغیرہ رحمۃُ اللہِ علیہ۔ [3]

تابعین کا اندازِ تفسیر:

تابعین کے دور میں اسلام کی سرحدیں بڑھتی چلی گئیں تو دشمنانِ اسلام کی تعداد میں بھی اضافہ ہوتا گیا جو سرحدی معرکہ بندی کے ساتھ ساتھ نظریاتی تخریب کاری میں بھی لگے رہے اور اپنی اس تخریب کے لیے انہوں نے قرآن کو بطور ہتھیار استعمال کرنا شروع کردیا۔ اس دور میں وارثانِ علومِ نبویہ پر جہاں نئے مسلمانوں کو تعلیماتِ قرآن سے آراستہ کرنے کی ذمہ داری عائد ہوئی وہیں انہیں قرآن پڑھ کر گمراہیت پھیلانے والوں کی سرکوبی

1 ...... الاتقان فی علوم القرآن، 2/1233۔ 2 ...... الاتقان فی علوم القرآن، 1/229۔

3 ...... الاتقان فی علوم القرآن، 2/1233۔

اور امت کو ان کے فتنے سے بچانے کے لیے کوششیں بھی کرنا پڑیں۔ صحابۂ کرام رضی اللہُ عنہ کے ان مخلص شاگردوں اور دین کے سچے محافظوں نے اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق فقہ، حدیث اور علومِ قرآن کی طرف توجہ فرمائی اور مختلف آیات کی تفسیر میں احادیث اور اپنے اپنے استاذ صحابہ کے آثار کو جمع کر دیا۔ تابعین کے اندازِ تفسیر کو تین نِکات کے تحت بیان کیا جارہا ہے ملاحظہ کیجیے:

1- احادیث و آثار: رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم اور ان کے صحابۂ کرام رضی اللہُ عنہم کے طریقے کی پیروی کی؛ سب سے پہلے قرآن کی تفسیر قرآنی آیات سے بیان کی، پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کی احادیث سے بیان کی اور جہاں انہیں قرآن و حدیث سے کسی آیت کی تفسیر نہ ملی وہاں قرآن کی تفسیر صحابۂ کرام کے آثار سے بیان فرمائی۔

2- اجتہاد و استنباط: جن آیات سے متعلق قرآن و حدیث اور آثارِ صحابہ سے تفسیر میسر نہ آئی وہاں اپنے اجتہاد و استنباط سے کام لیا؛ یہ کوشش نئے نئے مسائل کے حل، فتنہ پروروں کے رد اور دیگر الجھنوں سے نکلنے کے لیے کی گئی۔

3- اسرائیلیات: قرآنِ پاک کی کئی آیات و واقعات بنی اسرائیل سے متعلق ہیں اور دامنِ اسلام سے وابستہ ہونے والوں میں بہت سارے افراد وہ بھی تھے جو سابقہ یہودی و نصرانی تھے؛ ان حضرات نے اپنے اپنے علم کے مطابق قرآنی واقعات کی غیر ضروری وضاحت کے لیے بہت ساری اسرائیلی روایات شامل کر دیں، مثلاً اصحابِ کہف کے کتے کے ضمن میں یہ بحث چھیڑی گئی کہ اس کتے کا نام کیا تھا؟ اس کا رنگ کیسا تھا؟ وغیرہ حضرت آدم و حوا نے گندم کا دانہ کھایا تھا یا کوئی اور چیز تناول کی تھی؟ ظاہر ہے ان چیزوں کا نہ تفسیرِ قرآن سے کوئی تعلق ہے نہ احکام و مسائل سے، لیکن ایسی بہت ساری چیزیں کتبِ تفسیر میں موجود ہیں!

اسرائیلی روایات کو قبول یا رد کرنے کا اصول:

اسرائیلیات کو قبول کرنے یا قبول نہ کرنے کے لحاظ سے یہ اصول یاد رکھا جائے کہ اگر وہ روایات قرآن و سُنَّت کے موافق ہیں تو ان کو قبول کرلیا جائے۔ اگر وہ قرآن و سُنَّت کے خلاف ہوں مثلاً انبیائے کِرام علیہمُ السّلام کی عظمت و شان میں نقص کا سبب بن رہی ہوں تو ان کو نہ قبول کیا جائے گا اور نہ ہی کسی جگہ بیان کرنے کی اجازت ہو گی۔ بعض روایات وہ ہوں گی جو نہ قرآن و حدیث کے موافق ہوں گی نہ مخالف؛ ان کے بارے میں حکم یہ ہے کہ نہ ان کی تصدیق کی جائے نہ انہیں جھٹلایا جائے۔[1]

(3) مفسرین کا تیسرا طبقہ:

مفسرینِ قرآن کا تیسرا طبقہ تبعِ تابعین کا ہے؛ ان حضرات نے اپنے زمانے کی جلیل القدر ہستیوں سے علم حاصل کیا اور علومِ دینیہ میں نمایاں خدمات انجام دیں؛ اس طبقے میں بہت سارے جبل العلم (علم کے پہاڑ) پیدا ہوئے جن کی فلک شگاف بلندیوں کو دیکھ کر آفاقِ عالَم کو اپنی پستی پر شرمندہ ہونا پڑا؛ ان عظیم دیدہ وروں کی فہرست طویل ہونے کی وجہ سے صرف تین افراد کے اسمائے گرامی ملاحظہ فرمائیے:

حضرتِ وکیع بن جراح   حضرتِ شعبہ بن حجاج   حضرتِ سفیان بن عیینہ رحمۃُ اللہِ علیہم[2]

تبعِ تابعین کا اندازِ تفسیر:

تبعِ تابعین کے دور میں مختلف علوم و فنون کا رواج ہوا تو فتنہ پرور لوگوں نے بھی پر تولنا شروع کر دیئے اور قرآنی آیات کو فلسفے کی کسوٹی پر پرکھنے لگے؛ جو آیت فلسفہ کی رو سے سمجھ نہ آتی اس کے بارے میں شکوک و شبہات پھیلانے لگتے۔ اس سنگین صورتِ حال کو دیکھتے

---

[1] ...... تفسیر ابن کثیر، 1/10۔ [2] ...... کشف الظنون، 1/430۔

ہوئے تبعِ تابعین نے تفسیری روایات کو الگ الگ جمع کرنا شروع کیا، اس طرح "تفسیر بالماثور" کی تدوین ہوئی اور فلسفے کی کسوٹی پر آیات کو پرکھنے کے بجائے ایمان کی پختگی سے آیات کو دیکھنے پر زور دیا گیا۔ اسی طبقے کے بعض افراد نے اپنی اپنی فنی مہارت سے قرآن کے ادبی، نحوی اور بلاغی پہلوؤں پر تفاسیر لکھیں۔[1]

تبعِ تابعین کے دور تک ایسی تفسیر نہیں لکھی گئی جو پورے قرآن کی ترتیب وار ہر ہر آیت اور سورت کی وضاحت پر مشتمل ہو؛ یہ سلسلہ اس زمانے کے بعد شروع ہوا جو اب تک جاری و ساری ہے۔

مشق

سُوال: مفسرِ قرآن کون ہوتا ہے اور اس کے لیے کیا شرائط ہیں؟

سُوال: مفسرِ قرآن کے لیے کتنے اور کون کون سے علوم کا جاننا ضروری ہے؟

سُوال: طبقاتِ مفسرین پر روشنی ڈالیے اور ہر طبقے کے تین تین مشہور مفسرین کے نام لکھیے۔

سُوال: مفسرین کے تینوں طبقات کا اندازِ تفسیر تحریر کیجیے اور ان کا باہمی فرق واضح کیجیے۔

سُوال: تفسیر میں اسرائیلیات کیسے شامل ہوئیں؟ اور ان کا کیا حکم ہے؟

---

1 ...... فتاویٰ رضویہ، 28/533۔

مصادر و مراجع

قرآن پاک	کلام الٰہی	
نام کتاب	**مصنف / مؤلف / متوفیٰ**	**مطبوعات**
	کتبِ تفسیر	
تفسیر طبری	ابو جعفر محمد بن جریر طبری، متوفیٰ 310ھ	دار الکتب العلمیہ بیروت 1999ء
احکام القرآن للجصاص	ابو بکر احمد بن علی رازی جصاص، متوفیٰ 370ھ	دار الکتب العلمیہ بیروت
تفسیر کبیر	فخر الدین محمد بن عمر بن حسین رازی، متوفیٰ 606ھ	دار احیاء التراث العربی بیروت 1999ء
تفسیر قرطبی	ابو عبد اللہ محمد بن احمد انصاری قرطبی، متوفیٰ 671ھ	دار الفکر بیروت
تفسیر بیضاوی	ناصر الدین عبد اللہ بن عمر شیرازی بیضاوی، متوفیٰ 685ھ	دار الفکر بیروت 2000ء
تفسیر نسفی	عبد اللہ بن احمد بن محمود نسفی، متوفیٰ 710ھ	دار المعرفہ بیروت 2000ء
تفسیر خازن	علاؤ الدین علی بن محمد بغدادی، متوفیٰ 741ھ	دار الکتب العربیہ الکبریٰ
تفسیر ابنِ کثیر	حافظ ابو الفداء اسماعیل بن عمر ابن کثیر دمشقی، متوفیٰ 774ھ	دار الکتب العلمیہ 1998ء
تفسیراتِ احمدیہ	شیخ احمد بن ابی سعید ملا جیون جونپوری، متوفیٰ 1130ھ	پشاور
روح البیان	علامہ اسماعیل حقی بروسوی، متوفیٰ 1137ھ	دار احیاء التراث العربی بیروت
تفسیر عزیزی	شاہ عبد العزیز محدث دہلوی، متوفیٰ 1239ھ	کوئٹہ
تفسیر نعیمی	حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی، متوفیٰ 1391ھ	مکتبہ اسلامیہ لاہور
	کتبِ حدیث	
مسندِ احمد	امام احمد بن حنبل، متوفیٰ 241ھ	دار الفکر بیروت 1994ء
بخاری	ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری، متوفیٰ 256ھ	دار الکتب العلمیہ بیروت 1998ء
مسلم	ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری، متوفیٰ 261ھ	دار الکتاب العربی بیروت 2006ء
ابو داود	ابو داود سلیمان بن اشعث سجستانی، متوفیٰ 275ھ	دار احیاء التراث العربی بیروت 2001ء
ترمذی	ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، متوفیٰ 279ھ	دار الفکر بیروت 1414ھ
ابنِ حبان	ابو حاتم محمد بن حبان تمیمی بستی، متوفیٰ 354ھ	دار الکتب العلمیہ بیروت 1996ء
معجم کبیر	ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی، متوفیٰ 360ھ	دار احیاء التراث العربی بیروت 2002ء
المستدرک للحاکم	ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری، متوفیٰ 405ھ	دار المعرفہ بیروت 2006ء
شعب الایمان	ابو بکر احمد بن حسین بیہقی، متوفیٰ 458ھ	دار الکتب العلمیہ بیروت 2000ء
شرح السنہ	ابو محمد حسین بن مسعود بغوی، متوفیٰ 516ھ	دار الکتب العلمیہ بیروت 2003ء
کنز العمال	علامہ علی بن حسام الدین متقی برہان پوری، متوفیٰ 975ھ	دار الکتب العلمیہ بیروت 1998ء

	شروحِ حدیث	
النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر	مجد الدین مبارک بن محمد ابن اثیر جزری، متوفیٰ606ھ	دار الکتب العلمیہ بیروت2011ء
فتح الباری	حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی، متوفیٰ852ھ	دار الکتب العلمیہ بیروت2004ء
عمدۃ القاری	بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی، متوفیٰ855ھ	ملتان پاکستان1998ء
ارشاد الساری	علامہ شہاب الدین احمد بن محمد قسطلانی، متوفیٰ923ھ	دار الفکر بیروت2000ء
فیض القدیر	علامہ عبد الرؤف مناوی، متوفیٰ1003ھ	دار الکتب العلمیہ بیروت2001ء
مرقاۃ المفاتیح	علی بن سلطان محمد قاری المعروف ملا علی قاری، متوفیٰ1014ھ	دار الفکر بیروت1994ء
اشعۃ اللمعات	شیخ محقق عبد الحق محدث دہلوی، متوفیٰ1052ھ	کوئٹہ
دلیل الفالحین	محمد بن علان صدیقی مکی اشعری شافعی، متوفیٰ1057ھ	دار المعرفہ بیروت2004ء
مراٰۃ المناجیح	حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی، متوفیٰ1391ھ	ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور
	کتبِ فقہ واصولِ فقہ	
المبسوط للسرخسی	ابو بکر محمد بن احمد بن ابو سہل سرخسی حنفی، متوفیٰ490ھ	دار الکتب العلمیہ بیروت2001ء
اصول السرخسی	ابو بکر محمد بن احمد بن ابو سہل سرخسی حنفی، متوفیٰ490ھ	حیدر آباد دکن
المحصول فی علم الاصول	فخر الدین محمد بن عمر بن حسین رازی، متوفیٰ606ھ	دار الکتب العلمیہ بیروت1999ء
کشف الاسرار	علاء الدین عبد العزیز بن احمد بخاری، متوفیٰ730ھ	دار الکتب العلمیہ بیروت1997ء
غمز عیون البصائر	علامہ سید احمد بن محمد مصری، متوفیٰ1098ھ	کراچی
فتاویٰ ہندیہ	شیخ نظام الدین وجماعت علمائے ہند	دار الفکر بیروت1991ء
فواتح الرحموت	علامہ عبد العلی محمد بن نظام الدین سہالوی لکھنوی، متوفیٰ1225ھ	دار الکتب العلمیہ بیروت2002ء
ردالمحتار	علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفیٰ1252ھ	دار المعرفہ بیروت2000ء
فتاویٰ رضویہ	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان، متوفیٰ1340ھ	رضا فاؤنڈیشن لاہور
بہارِ شریعت	مفتی محمد امجد علی اعظمی، متوفیٰ1367ھ	مکتبۃ المدینہ کراچی2008ء
	کتبِ علوم القرآن	
الایضاح لناسخ القرآن ومنسوخہ	علامہ ابو محمد مکی بن ابو طالب قیسی، متوفیٰ437ھ	دار المنارہ جدہ1986ء
البیان فی عد آی القرآن	قاری ابو عمرو عثمان بن سعید دانی اندلسی، متوفیٰ444ھ	مرکز المخطوطات والتراث والوثائق کویت1994ء
الکامل فی القراءات العشر	ابو القاسم یوسف بن علی ہذلی مغربی، متوفیٰ465ھ	مؤسسۃ سما2007ء
نواسخ القرآن	ابو الفرج عبد الرحمن ابن جوزی، متوفیٰ597ھ	احیاء التراث الاسلامی1984ء
جمال القراء وکمال الاقراء	ابو الحسن علی بن محمد المعروف علم الدین سخاوی، متوفیٰ643ھ	مؤسسۃ الکتب الثقافیہ بیروت
المرشد الوجیز	عبد الرحمٰن بن اسماعیل المعروف ابو شامہ مقدسی، متوفیٰ665ھ	دار صادر بیروت1975ء
البرہان فی علوم القرآن	بدر الدین محمد بن عبد اللہ زرکشی، متوفیٰ794ھ	دار الفکر بیروت2001ء

الاتقان فی علوم القرآن	جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر سیوطی، متوفیٰ 911ھ	دار المصطفیٰ دمشق 2008ء
الفوز الکبیر	علامہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، متوفیٰ 1176ھ	دار الکتب العلمیہ بیروت 2022ء
الکنز الوفیر حاشیۃ الفوز الکبیر	مولانا ابو امجد احمد رضا عطاری شامی / مجلس المدینۃ العلمیۃ	دار الکتب العلمیہ بیروت 2022ء
احسن البیان	مفتی محمد فیض احمد اویسی، متوفیٰ 1431ھ	قطبِ مدینہ پبلشرز 1999ء
مناہل العرفان	محمد عبد العظیم زرقانی	دار احیاء التراث العربی بیروت 1998ء
علوم القرآن الکریم	نور الدین عتر بن محمد بن حسن حسینی، متوفیٰ 2020ء	مکتبۃ الصباح دمشق 1993ء
زبدۃ الاتقان	محمد بن علوی مالکی، متوفیٰ 1425ھ	مکتبۃ المدینہ کراچی 2021ء
معجم علوم القرآن	ابراہیم محمد جرمی	دمشق
من روائع القرآن	محمد سعید رمضان بوطی	دار الفارابی للمعارف 2007ء
تدوین قرآن	مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی	ادارہ تصنیفاتِ امام احمد رضا کراچی
	کتبِ سیرت	
شفا	القاضی ابو الفضل عیاض مالکی، متوفیٰ 544ھ	مرکز اہلسنت برکات رضا ہند
الروض الانف	ابو القاسم عبد الرحمن بن عبد اللہ سہیلی، متوفی 581ھ	دار الکتب العلمیہ بیروت
الخصائص الکبریٰ	جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر سیوطی، متوفیٰ 911ھ	دار لکتب العلمیہ بیروت
السیرۃ الحلبیۃ	ابو الفرج نور الدین علی بن ابراہیم حلبی شافعی، متوفیٰ 1044ھ	دار لکتب العلمیہ بیروت 2002ء
	کتبِ لغت	
مفردات الفاظ القرآن	علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی، متوفیٰ 425ھ	دمشق
التعریفات	ابو الحسن علی بن محمد حسینی المعروف سید شریف جرجانی، متوفیٰ 816ھ	دار المنار
المزہر فی علوم اللغۃ وانواعہا	جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر سیوطی، متوفیٰ 911ھ	مکتبۃ دار التراث القاہرہ
دستور العلماء	قاضی عبد النبی بن عبد الرسول احمد نکری	دار الیقین مصر 2011ء
	متفرقات	
احیاء العلوم	ابو حامد محمد بن محمد غزالی، متوفیٰ 505ھ	دار صادر بیروت 2000ء
تمہید ابو شکور سالمی	علامہ ابو شکور محمد بن عبد السعید سالمی	نوریہ رضویہ لاہور 2013ء
کشف الظنون	مصطفیٰ بن عبد اللہ قسطنطینی المعروف حاجی خلیفہ، متوفیٰ 1067ھ	دار الکتب العلمیہ بیروت
المعتمد المستند	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان، متوفیٰ 1340ھ	دار اہل السنۃ 2018ء
المعتقد المنتقد	علامہ فضلِ رسول بدایونی، متوفیٰ 1289ھ	دار اہل السنۃ 2018ء

فہرست

مسلمانوں کے چوتھے خلیفہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں چاہوں تو سورۂ فاتحہ کی تفسیر سے ستر اونٹ بھروا دوں۔

(الاتقان فی علوم القرآن، 2/1223)

ایک اونٹ کئی من بوجھ اٹھاتا ہے اور ہر من میں کئی ہزار اجزا! حساب سے تقریباً پچیس لاکھ جزء آتے ہیں۔ یہ فقط سورۂ فاتحہ کی تفسیر ہے پھر باقی کلامِ عظیم کی کیا گنتی! پھر یہ علم "علمِ علی" ہے، اس کے بعد "علمِ عمر"، اس کے بعد "علمِ صدیق" کی باری ہے، پھر علمِ نبی تو علمِ نبی ہے۔ غرض قرآنِ عظیم و فرقانِ کریم میں سب کچھ ہے جسے جتنا علم اتنی ہی فہم (سمجھ)، جس قدر فہم اسی قدر علم۔ (فتاویٰ رضویہ، 22/619)

یاد رہے! ایک جزء سولہ یا آٹھ صفحات کا ہوتا ہے تو سولہ صفحات کے حساب سے 25 لاکھ جزء کے چار کروڑ صفحات بنتے ہیں جس کو جدید طرزِ طباعت کے مطابق شائع کیا جائے تو اوسطاً 500 صفحات کی 80 ہزار جلدیں بن جائیں۔ سُبْحٰنَ اللہِ وَ بِحَمْدِہٖ سُبْحٰنَ اللہِ الْعَظِیْم

فیضانِ مدینہ، محلہ سوداگران، پرانی سبزی منڈی کراچی
UAN +92 21 111 25 26 92 | 0313-1139278
www.maktabatulmadinah.com / www.dawateislami.net
feedback@maktabatulmadinah.com / ilmia@dawateislami.net